مکاتیبِ نگم



محمد ایوب واقف

مکاتیبِ نگم

یعنی

خطوط منشی دیا نرائن نگم

ایڈیٹر رسالہ "زمانہ" کانپور

(معہ حواشی و تذکرہ مکتوب الیہم)

مرتبہ: محمد ایوب واقف

مکاتیبِ نگم

قیمت

ملنے کے پتے :-

۱۔ انجمن ترقی اردو ہند۔ اردو گھر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
۲۔ محب بکڈپو۔ بھنڈی بازار۔ بمبئی
۳۔ نسیم بکڈپو لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

منشی دیا نرائن نگم میموریل ٹرسٹ ۱۔ چکبست روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
نے زیراہتمام برج نرائن نگم پریسیڈنٹ ٹرسٹ
نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا

انتساب

میں
اس کتاب کو
اپنے محترم بزرگ جناب عبدالرزاق مرحوم و مغفور
کے نام معنون کر کے
حد درجہ خوشی و طمانیت محسوس کر رہا ہوں۔
قریشی صاحب مرحوم نے ہی در اصل میری توجہ
آنجہانی منشی دیا نرائن نگم کی طرف
مبذول کرائی۔
اور ازراہِ شفقت بزرگانہ مجھے حکم دیا کہ
میں ان کے خطوط کو ترتیب دوں
چند خطوط انھوں نے مجھے عنایت بھی فرمائے۔

محمد ایوب واقف

فہرست مضامین

تصاویر ۱- منشی دیانرائن نگم
۲- محمد ایوب واقف

فہرست مکاتیب

نمبر شمار	نام مکتوب الیہ	تاریخ خط اول	تعداد خطوط	صفحہ خط	صفحہ سوانح حیات
۱	مولانا احسن مارہروی	۲۶ر جنوری ۱۹۰۶ء	۵	۴۹	۱۴۹
۲	سید اظہار الحق غازی آبادی	۲۶ر جون ۱۹۲۲ء	۳	۵۳	۱۵۲
۳	بشیشور پرشاد منور لکھنوی	۱۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء	۳۶	۵۵	۱۵۳
۴	سید مسعود حسن رضوی ادیب	۸ر فروری ۱۹۲۷ء	۱	۸۹	۱۵۵
۵	تمکین کاظمی	۱۲ر ستمبر ۱۹۲۸ء	۱	۹۰	۱۵۷
۶	جگدیش پرشاد نگم	۲۵ر اگست ۱۹۳۱ء	۲	۹۱	× حاصل نہ ہوسکے
۷	سلیم جعفر	۴ر ستمبر ۱۹۳۱ء	۳	۹۲	۱۵۹
۸	جوش ملیح آبادی	۲۵ر اپریل ۱۹۳۴ء	۱	۹۶	۱۶۱
۹	ثاقب کانپوری	۱۹۳۴	۱	۹۸	۱۶۴
۱۰	سنت پرشاد مدہوش	۸ر جنوری ۱۹۳۷ء	۱	۹۹	۱۶۶
۱۱	حسن یحییٰ عندلیب	۲۳ر فروری ۱۹۳۸ء	۲	۱۰۱	۱۶۸
۱۲	سوریہ پرتاپ حق پرست	۱۵ر نومبر ۱۹۳۸ء	۲۲	۱۰۳	۱۶۹
۱۳	رفیق مارہروی	۵ر جولائی ۱۹۴۰ء	۲	۱۳۵	۱۷۱
۱۴	شیام موہن لال جگر بریلوی	۲۶ر فروری ۱۹۴۱ء	۱	۱۳۸	۱۷۳
۱۵	جگدیش سہائے سکسینہ	۲۱ر مئی ۱۹۴۱ء	۱	۱۴۰	× حاصل نہ ہوسکے
۱۶	یحییٰ تنہا	۵ر جنوری ۱۹۴۲ء	۱	۱۴۱	۱۷۵
۱۷	فاروق محشر بدایونی	۶ر اپریل ۱۹۴۲ء	۳	۱۴۳	۱۷۷
۱۸	عبدالرزاق قریشی	۸ر اپریل ۱۹۴۲ء	۳	۱۴۴	۱۷۹

پیش لفظ

منشی دیا نرائن نگم نے رسالہ "زمانہ" کی ادارت کے اُنتالیس طویل برسوں میں ہزارہا خطوط لکھے ہوں گے۔ اُنھیں خطوط کے ذریعہ انھوں نے اردو کے صدہا ادیبوں، شاعروں اور مضمون نگاروں کو اُبھارا اور اُکسایا۔ اور رسالہ 'زمانہ' کے صفحات کو زینت بخشنے کے لئے ہر ماہر فن کو زمانہ کے پلیٹ فارم پر لاکھڑا کیا۔

افسوس ہے کہ باوجود کوششوں کے فقط ۸۹ خطوط دستیاب ہو سکے۔ دنیا سے رخصت ہوئے اُن کو چالیس سال ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طویل عرصہ میں ان کے خطوط کا بیشتر حصہ تلف ہو گیا۔ اگر اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد مزید خطوط دستیاب ہوئے تو اُن کو اس مجموعہ کو دوسری جلد کی شکل میں پیش کیا جائے گا امید ہے کہ جن حضرات کے پاس اور خطوط ہوں وہ براہِ کرم راقم سے خط و کتابت کریں گے۔ یہ خطوط اردو ادب میں ایک بیش قیمت اثاثہ ہیں۔

اِن خطوط کا بیشتر حصہ جناب محمد ایوب واقف صاحب نے جناب عبدالرزاق قریشی صاحب کی اعانت سے پہلے ہی سے مرتب کر رکھا تھا جو انھوں نے ازراہِ عنایت بغرض اشاعت میرے حوالہ کر دیا۔ ہم اُن کے بہت ہی زیادہ مشکور ہیں۔

کیپٹن سوریہ پرتاپ صاحب کو بھیجے ہوئے خطوط ان کے صاحبزادے جناب گرو پرتاپ صاحب (آئی، جی — جیل) حیدرآباد سے حاصل ہوئے ہیں جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

برج نرائن نگم
پریسیڈنٹ



Munshi Daya Narain Nigam

مقدمہ

منشی دیا نرائن نگم اور زمانہ

پوچھو ہو کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

منشی دیا نرائن نگم اور زمانہ کانپور دونوں ہی اردو زبان و ادب کے ارتقا کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔ دونوں کی عظمتیں بے پناہ ہیں۔ دونوں کی خدمتوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہماری زبان ان دونوں کے احسان تلے ہمیشہ دبی رہے گی۔ زمانہ اور زمانہ کے قد آور مدیر کی خدمات اور احسانات اور ان کے سرفروشانہ عزم و استقلال کا احاطہ کرنے کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہوں گے۔ زمانہ کی ساری اہمیت اس میں ہے کہ وہ منشی دیا نرائن نگم جیسے جامع کمالات، حق گو، بیباک اور زبانِ اردو کے پُر خلوص خادم و مربی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اور منشی دیا نرائن نگم کی ساری اہمیت اس میں ہے کہ وہ ایک ایسے وحیدِ عصر فخر روزگار اور ہمہ جہت و ہمہ گیر جریدہ جسے ہم سب "زمانہ" کے نام سے جانتے ہیں، کی ادارت کے شرف سے مشرف ہوئے جس نے دھنپت رائے کو منشی پریم چند، برج نرائن کو، برج نرائن چکبست لکھنوی اور نوبت رائے کو نوبت رائے نظر کے روپ میں دنیائے ادب میں پیش کیا۔ اس

طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں کا وجود اور دونوں کا بھرم ایک دوسرے سے قائم ودائم ہے۔

کانپور کے ایک خوش حال کائستھ گھرانے میں پیدا ہونے والا فطری کمالات کا حامل لڑکا جب کرائسٹ چرچ سے بی اے کی ڈگری سے سرفراز ہو چکا تو گھر کے بڑے بوڑھوں کے سامنے سوالیہ نشان بن کر کھڑا ہوا گھر میں وکالت کا پیشہ رائج تھا۔ دادا منشی شیو سہائے نگم کانپور کے سربرآوردہ وکیلوں میں تھے اور والد منشی کنہیا لال نگم بھی کچہری سے وابستہ رہے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ منشی دیا نرائن نگم بھی اسی خاندانی پیشے میں لگ جائیں اور پیسے کمائیں۔ یہ واقعہ ۱۹۰۳ء کا ہے اور اسی سال انھوں نے بی اے پاس کیا تھا۔ یہ یاد رکھیے کہ ان کی پیدائش ۲۲ مارچ ۱۸۸۲ء میں کانپور میں ہوئی تھی۔[۱] لیکن اس ہونہار اور خوش فکر نوجوان کو تو اپنی کارکردگیوں اور اعلا سرگرمیوں کا نقش کسی اور میدان میں چھوڑنا تھا چنانچہ اس نے اپنے گھر اور خاندان کے بڑے بوڑھوں کے اس مشورے کو قابل قبول نہ سمجھ کر اسے سرے سے نظر انداز کر دیا اور اپنے ذاتی فیصلے کے مطابق اس راستے پر گامزن ہوا جس پر چل کر اس نے اپنی ہنرمندی کا لوہا منوایا اور بے پناہ شہرت و مقبولیت حاصل کی۔

زمانہ کی ادارت کی باگ ابھی منشی دیا نرائن نگم نے نہیں سنبھالی تھی لیکن اردو زبان کے کتب و رسائل و اخبارات کا مستقل مطالعہ انھوں نے جاری کر دیا تھا۔ اس زمانے میں انھوں نے چند مضامین بھی لکھے جنھیں ان کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر شیخ عبدالقادر مرحوم نے اپنے مشہور زمانہ رسالہ مخزن میں یکے بعد دیگرے شائع کیا۔ ان

---

[۱] منشی دیا نرائن نگم کی تاریخ پیدائش رام بابو سکسینہ نے اپنی تصنیف تاریخ ادب اردو، میں ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۴ء لکھی ہے جو درست نہیں ہے زمانہ کے یادگار نمبر میں منشی جی کے ایک سوانح نگار نے ان کا سن پیدائش ۱۸۸۲ء تحریر کیا ہے اسی تاریخ کو جگر بریلوی نے "یادِ رفتگان" اور مرحوم عبدالرزاق قریشی نے اپنی تصنیف تاثرات میں درج کیا ہے ہم اسی تاریخ کو مستند سمجھتا ہوں۔

مضامین کی اشاعت کے بعد منشی دیا نرائن نگم کا اردو ادب کے حلقے میں وقار قائم ہوا۔ ان کا حوصلہ اور بلند ہوا تو دوسرے کئی جریدوں میں انھوں نے مفید اور معلوماتی مضامین قلم بند کیے ان کے ان مضامین کو بھی بھرپور قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی۔

اس کے بعد ۱۹۰۳ء کا تاریخی سال آیا۔ اس سال کے دوران انھوں نے زمانہ کی ادارت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر عائد کر لی۔ زمانہ فروری ۱۹۰۳ء میں بریلی سے شائع ہونا شروع ہوا تھا نومبر ۱۹۰۳ء میں منشی جی نے اس کی ادارت کانپور سے سنبھالی[۱] ۱۹۰۳ء کے چھ ماہ کے عرصہ میں زمانہ اپنا کوئی خاص معیار قائم نہیں کر سکا۔ معمولی کاغذ پر معمولی کتابت وطباعت کے ساتھ یہ ہر ماہ پابندی سے شائع ہو جایا کرتا تھا۔ یہی زمانہ کے لیے بڑی بات تھی۔ لیکن ۱۹۰۳ء میں منشی دیا نرائن نگم کی تفویض میں آتے ہی اس میں شہرت ومقبولیت کے پر لگ گئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی عظمت اور برتری کا سکہ کانپور کی حدود سے نکل کر پورے برصغیر میں جاری ہو گیا پھر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ ملک کے اعلا پائے کے دانشور، عالم وفاضل اور ادیب وشاعر اس کے حلقہ بگوش ہو گئے اور اس رسالہ میں لکھنا اپنے لیے شان اور برتری کی دلیل تصور کرنے لگے۔ بقول رام بابو سکسینہ مصنف "تاریخ ادب اردو" اس میں (زمانہ میں) معاشرتی، ادبی سیاسی، تنقیدی اور تحقیقی مصنوعات پر ایسے اہل قلم کے مضامین شائع ہوئے جو اپنی اصابت رائے کے لیے مشہور رہیں[۲]۔

۱۹۰۳ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک کا زمانہ، ماہنامہ زمانہ کانپور کی پوری عمر کا عرصہ ہے ان ۳۹ برسوں میں اس نادرۂ روزگار اور یکتائے عصر ماہنامے نے میدان جریدہ نگاری میں فن مقالہ نویسی کا ایسا اعلا وبرتر معیار قائم کیا کہ بڑے بڑے جریدہ نگار حیرت واستعجاب میں پڑ گئے۔ وہ جنھیں یہ ناز تھا کہ وہی اس میدان خارزار کے سب سے بڑے سورما ہیں دانت تلے انگلی دبالی۔ دراصل زمانہ کو، جو اسقدر

---

[۱] زمانہ یادگار نمبر

[۲] تاریخ ادب اردو مترجمہ مرزا محمد عسکری ص ۱۱۴۳

شہرت و مقبولیت نصیب ہوئی تو صرف اس لیے کہ اس کھیتی کو منشی دیا نرائن نگم نے اپنے جان و دل سے زیادہ عزیز سمجھا اور اپنے خون دل سے سینچ کر اسے ہرا کیا تھا دوستوں کی تنر اور دشمنوں کی خیر سے اسے اس طرح محفوظ رکھا جیسے ممتا کی ماری ماں اپنے بچے کو ہر طرح کی نظر بد سے محفوظ رکھتی ہے۔" زمانہ" کے توسط سے اردو دوستی اور اس کی تشکیل واشاعت کا جو چلن انھوں نے عام کیا اور اردو دشمنی کے ماحول میں اردو کی حمایت اور طرفداری کی جو مثال انھوں نے قائم کی وہ ان کے زمانے میں قابل تقلید تو تھی ہی لیکن آج ہمارے عہد میں تو اس سے بڑی عبرت حاصل کی جا سکتی ہے خاص کر ایسے وقت میں جبکہ ہر طرف سے زہریلی ہوائیں اردو کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے چل رہی ہے۔

ہم نے ابھی ابھی منشی دیا نرائن نگم کی اردو دوستی کی جو بات کی ہے تو بلا وجہ اور بغیر سبب کے نہیں ان کی اردو دوستی کی کچھ انوکھی مثالیں بھی ہیں یوں تو زمانہ ہمیشہ ہی خسارے میں طبع ہوتا رہا اور بقول سری نرائن نگم "زمانہ کو زندہ رکھنے کے لیے منشی جی نے خاندان کی ساری جائداد اس کی نذر کر دی[1] لیکن زمانہ پر ایک ایسا برا وقت بھی آیا جب خاندان کا سارا اثاثہ اس پر نچھاور کر دینے کے بعد بھی وہ زیر بار قرض رہا ایسے دل شکن ماحول اور صبر آزما وقت میں اردو دشمنی کے جذبات کے ساتھ ہندی کے ایک عاشق نامدار منشی دیا نرائن نگم کے پاس آئے اور کہنے لگے: نگم صاحب "زمانہ" پر جو قرض ہے میں اس کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں اور آگے کی اس کی کفالت کا بھی وعدہ کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ زمانہ اردو کے بجائے ہندی کا ماہنامہ بن جائے"[2]۔ منشی جی نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر بھی زمانہ کو ہندی کا ماہنامہ بنانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ نگم صاحب کے اس صاف صاف اور منھ توڑ جواب پر وہ حضرت جو اردو کے اس سچے عاشق کو خریدنے آئے تھے اپنا سا منھ لے کر واپس چلے گئے[3]۔

---

[1] تاثرات از عبدالرزاق قریشی [2] زمانہ یادگار نمبر [3] زمانہ یادگار نمبر۔

عمر کے آخری دنوں میں نگم صاحب مسلسل کئی حادثات کا شکار ہوئے ۱۹۳۹ء میں ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔ اہلیہ کے غم کا زخم ابھی مندمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ڈیڑھ مہینے بعد ان کی جوان بیٹی داغ مفارقت دے گئی۔ قدرت کی ستم ظریفی نے اتنے پر ہی بس نہیں کیا اس کے ڈیڑھ سال بعد ان کے چھوٹے بھائی رام سرن نگم جنھیں منشی دیا نرائن نگم بہت عزیز رکھتے تھے چل بسے اس مسلسل طوفانی غم نے ان کے دل و دماغ کو بری طرح متاثر کیا اس کا اظہار انھوں نے اس زمانے کے اکثر اداریوں اور دوستوں کو لکھے گئے خطوط میں کیا ہے ایک خط میں وہ لکھتے ہیں۔

..... آپ کے خطوط پڑھ کر دل کی جو حالت ہوئی ہے بیان نہیں کر سکتا۔ شاید اس لیے کہ میں نے بھی آپ کی طرح زخم خوردہ ہوں۔ آپ کی مصیبت سے ایک خاص ہمدردی ہو گئی ہے۔ در اصل اب میں اس دنیا کے سب خانہ برباد لوگوں کا شریک غم ہوں[1]۔

ایک دوسرے خط میں رقمطراز ہیں۔

..... سچ تو یہ ہے کہ آپ صاحبوں کی رفاقت و محبت دیکھ کر ایک مرتبہ تو نارسائی قسمت اور عام بے قدری کا گلہ بھی جاتا رہتا ہے پچھلے سال سے طبیعت کچھ عجیب سی ہو گئی ہے بعض اوقات گھنٹوں کھویا سا رہتا ہوں لیکن یہ گھڑیاں بھی احباب کی نیکیوں اور ان کی محبت کی یاد میں کٹ جاتی ہیں[2]۔

خطوط کے مندرجہ بالا اقتباسات سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عمر کے اس ایام میں وہ اندر سے بالکل بجھ گئے تھے لیکن قربان جائیے ان کی اردو دوستی پر کہ اس عالم میں بھی انھیں زمانہ اور آزاد[3] کی اور اردو زبان و ادب کی

---

۱ خط بہ نام حق پرست ۲ خط بنام سلیم جعفر۔ ۳ کانپور سے شائع ہونے والا ہفتہ وار اخبار اس کے مدیر منشی دیا نرائن نگم تھے۔ زمانہ پریس کانپور سے ہر جمعرات کو ۸ + ۲۲ + ۲۲ کی بڑی تقطیع پر شائع ہوتا تھا سالانہ قیمت ۳ روپیے تھی۔

نشر و تبع و اشاعت کی فکر دامن گیر رہتی تھی لیکن ایسے میں وہ کب تک زندگی کی کشتی کو کھیتے۔ بالآخر وہ نحیف و ناتواں جسم جس کے اندر کی روح مضطرب اور بے چین رہا کرتی تھی زیادہ دنوں تک اپنے کو سنبھالا نہ دے سکا اور ۲ر نومبر ۱۹۴۲ء کو ہزاروں چاہنے والوں کو سوگوار چھوڑ کر پیوند خاک ہو گیا۔

منشی دیا نرائن نگم کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے ماہنامہ زمانہ کو کم و بیش چالیس سال تک انتہائی کروفر کے ساتھ جاری رکھا لیکن ان کا اس سے بھی بڑا اور مستحسن کام یہ تھا کہ انھوں نے ایسے درجنوں ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں کی ذہنی تربیت کی جنھوں نے آگے چل کر ادب کی تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا۔ برج نرائن چکبست جگت موہن لال رواں، سرور جہاں آبادی، پنڈت بدری ناتھ سدرشن، جگر بریلوی پروفیسر سنت پرشاد مدہوش، پنڈت بشیشور پرشاد منور لکھنوی، وغیرہ جیسے ادیبوں اور شاعروں کی ذہنی پرورش میں تو انھوں نے پورا حصہ لیا ہی لیکن پریم چند جن کو اردو افسانہ اور ناول کی تاریخ میں سب سے بڑا مقام ملا کے بارے میں تو ہم یہاں تک کہنے کی جسارت کر رہے ہیں کہ اگر انھیں منشی دیا نرائن نگم نہ ملے ہوتے تو شاید وہ نواب رائے یا دھنپت رائے ہی رہ جاتے۔ اردو اور ہندی کے زندہ جاوید فن کار منشی پریم چند نہ بن پاتے۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ منشی دیا نرائن نگم نے ۱۹۰۳ء میں زمانہ کی ادارت قبول کی اور اس کے دوسرے سال یعنی ۱۹۰۴ء میں کانپور میں منشی پریم چند سے ان کا تعارف ہوا۔ ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۶ء کے درمیان منشی پریم چند نے زمانہ کے لیے اگرچہ کوئی کہانی نہیں لکھی لیکن دھنپت رائے کے نام سے چند مضامین ضرور قلم بند کیے۔ جہاں تک کہانی کا تعلق ہے منشی پریم چند نے "دنیا کا انمول رتن" کے نام سے زمانہ میں پہلی کہانی لکھی اور پھر زمانہ میں ان کی کہانیوں کا سلسلہ اس زور و شور سے چل پڑا کہ دنیائے ادب میں تہلکہ مچ گیا۔

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ منشی پریم چند کے اندر فنکارانہ صلاحیتیں پہلے سے موجود تھیں لیکن ان صلاحیتوں کو بھرپور ڈھنگ سے استعمال میں لانے کا سلیقہ

اور جذبہ منشی پریم چند کو ان کے ہم مشرب دوست منشی دیا نرائن نگم سے حاصل ہوا اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۰۸ء میں جب منشی پریم چند کا پہلا مجموعہ سوزِ وطن کے نام سے زمانہ پریس ہی سے شائع ہوا تو وہ انگریزی حکومت کی نظر میں معتوب قرار پایا اس وقت کے انگریز... کلکٹر نے جب یہ پتہ چلا لیا کہ وطن پرستی کے جذبات سے بھرپور اس مجموعے کے مصنف نواب رائے یہی حضرت ہیں جو سرکارِ انگلشیہ کی ملازمت پر مامور ہیں۔ تو اس نے منشی جی کو بلا کر خوب خوب لعن طعن کی اور دھمکی آمیز لہجے میں ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اگر تم انگریزی راج میں نہ ہوتے تو تمھارے دونوں ہاتھ کٹوا لیے گئے ہوتے۔ تمھارے پاس سوزِ وطن کی جتنی جلدیں ہوں سب ہمارے حوالے کر دو اور پھر کبھی لکھنے کا نام نہ لینا"

نواب رائے کے خفیہ نام کا پتہ چل جانے کے بعد ایک بڑی مشکل کھڑی ہو گئی۔ مضمون چھپنے سے پہلے کلکٹر کی منظوری ضروری قرار دی گئی [۱] اس مشکل کے وقت منشی دیا نرائن نگم سامنے آئے۔ انھوں نے دھنپت رائے کی ہمت بڑھائی۔ غیر پولیٹیکل مضامین خصوصاً افسانوں کی طرف رجوع کیا اور مشورہ دیا کہ وہ ان کے سب مضامین پریم چند کے نام سے زمانہ میں شائع کرتے رہیں گے۔ نواب رائے مرحوم ہو گئے اور پریم چند پیدا ہوتے ہیں بات کو صیغہ راز میں رکھنے کے لیے عرصہ تک ان کے افسانے و مضامین صرف زمانہ ہی میں چھپتے رہے اور کسی کو اس بات کا علم بھی نہیں ہوا۔ اس نام کے تحت بھی وہی کشش رہی اور پریم چند شہرت کے اس مقام پر پہونچے جہاں تک پہونچنا اوروں کے بس کی بات نہیں تھی۔

منشی پریم چند کے کردار کی تعمیر میں ایک اور مقام پر منشی دیا نرائن نگم نے زبردست رول ادا کیا۔ یہ بات غالباً ۱۹۰۶ء کی ہے۔ شیورانی دیوی ان دنوں بیوہ تھیں۔

---

[۱] پریم چند چٹھی پتری صفحہ ۔ ۷

اور اس زمانے میں ہندو سماج میں بیوگی عورت ذات کے لیے بڑی بھیانک چیز ہوتی تھی کسی مہذب گھرانے میں اس کی شادی دشوار امر بن جایا کرتی تھی۔ شیورانی دیوی کے والد محترم دیوی پرشاد جی کو جب کوئی لڑکا باوجود تلاش و جستجو کے نہیں مل سکا تو انھوں نے شادی کا اشتہار دے دیا۔ منشی پریم چند نے دیا نرائن نگم سے مشورہ کیا منشی دیا نرائن نگم نے نہ صرف یہ کہ شیورانی دیوی سے شادی کا مشورہ دیا بلکہ پریم چند کے دل میں خاندان اور سماج کی لعن طعن کا جو خوف جم کر بیٹھ گیا تھا اس سے بے پرواہ ہونے کا ان کے اندر عزم و حوصلہ بھی پیدا کیا۔ گویا منشی پریم چند کے ذہن کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ سماج میں جو مظالم ناانصافیاں اور استحصال ہیں ان کے خلاف اپنے قلم کو وہ استعمال کریں۔

بہر حال منشی دیا نرائن نگم کے ایما پر شیورانی دیوی کی شادی کی بات پکّی ہو گئی پریم چند کے خاندان کے افراد نے اس شادی کا بائیکاٹ کیا۔ اس موقع پر دیا نرائن نگم پریم چند کے دست راست بن گئے۔ خود آگے بڑھے سارے لوازمات کی خود تکمیل کی اور پھر منشی پریم چند اپنے دس اکیلے دوست اور بہی خواہ کی کوششوں کے ساتھ ہنسی خوشی شیورانی دیوی کو ۱۳ سال کی عمر میں دوبارہ دلہن بنا کر اپنے گھر لائے۔ ان حقائق کے پیش نظر کیا یہ سوچنا درست نہیں ہوگا کہ منشی دیا نرائن نگم نے منشی پریم چند کے اندر بے خوفی اور بیباکی کے عناصر کو قائم و دائم کرنے میں زبردست رول ادا کیا راکھ کی ڈھیر میں چنگاری پڑی پڑی بجھ سکتی ہے لیکن اگر اس کے پھونک دے دی جائے تو اس کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دوسری بڑی سے بڑی چیز کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

اس کے علاوہ بھی منشی دیا نرائن نگم کے یہاں ہمیں کچھ ذاتی قسم کی خصوصیات بھی دیکھنے کو ملتی ہیں، ان کا حسن سلوک ان کی رواداری و بردباری ان کی محبتیں، اور چاہتیں اور ان کا تعاون و اشتراک بغیر کسی امتیاز کے لوگوں کو حاصل تھا۔ وہ ایک ایسے ہندو تھے جو اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے مسلمانوں سے زیادہ خاندہ مند اور کارآمد

ثابت ہوئے۔ کانپور کی مچھلی بازار کی مسجد جب شہید کی گئی تو برطانوی شہنشاہیت کے اس سنگین ظلم کے خلاف انھوں نے صدائے احتجاج بلند کی اور بہ بانگ بلند یہ اعلان کیا کہ مسلمانوں کے حق میں یہ سب سے بڑی غیر منصفانہ بات ہے اکبر الہ آبادی نے ان کے بارے میں بڑی سچی ہوئی اور دو ٹوک رائے دی تھی۔

"وہ (نگم) ایسے مقبول ہندو ہیں جن کی شرافت کی قدر ہوتی ہے اور جو دوسروں پر احسان کر کے خوش ہوتے ہیں [1]

حسرت موہانی بڑے کھرے ذہن کے آدمی تھے کسی کے بارے میں ان کی رائے ہمیشہ ہی بیباک اور اپنی تلی ہوا کرتی تھی۔ منشی دیا نرائن نگم کے بارے میں ایک مقام پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے لکھا تھا کہ

فقیر کے قید و بند کے زمانے میں مرحومہ بیگم حسرت موہانی کی زبانی معلوم ہوا کہ مرحوم (منشی دیا نرائن نگم) نے میری غیبت میں ان کے ساتھ برادرانہ خلوص دکھایا [2]

سنہ ۱۹۴۲ء میں منشی جی کے انتقال پر ملال پر اپنا خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مرحوم خواجہ حسن نظامی نے کہا تھا۔

"ان کے دل میں بڑی وسعت تھی اور وہ سب کا بھلا چاہتے تھے [3]

مولانا الطاف حسین حالی کے خیالات بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"زمانہ کو دل سے پسند کرتا ہوں اور اس کو ان مستثنیٰ رسالوں میں شمار کرتا ہوں جو اردو لٹریچر کو ناشائستگی کے۔

---

[1] ۔ زمانہ سلور جوبلی نمبر

[2] زمانہ یادگار نمبر

[3] زمانہ یادگار نمبر

خس و خاشاک سے پاک کر رہے ہیں۔"

مولانا شبلی نعمانی کے تعلقات بھی منشی جی کے ساتھ اچھے تھے اکثر مولانا نے زمانہ کے لیے مضامین اور نظمیں ارسال کی تھیں مولانا کے علمی جانشین علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی منشی دیا نرائن نگم کی اردو خدمات کو سراہا علامہ نے اپنے ایک مکتوب میں منشی جی کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

منشی دیا نرائن نگم نے جس استقلال، جس خلوص، جس قربانی اور جس اعلا قابلیت سے ہمیشہ زمانہ کو اس کے اعلا معیار پر قائم رکھا ہے۔ اس کے لیے وہ تمام اردو دوست اصحاب کے شکر گزاری اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔[۱]

زمانہ کے معاصر پرچوں میں الناظر (لکھنو) مشرق (گورکھپور) ہمدرد (دہلی) حق (لکھنو) کرم ویر (لاہور) بندے ماترم (لاہور) آریہ ورت، (کانپور)، البدر (کانپور) کشمیری (لاہور) مبصر (لکھنو) ذوالقرنین (بدایوں) الخلیل (بجنور) مخزن (لاہور) جامعہ (دہلی) تجلّی (حیدرآباد) معارف (اعظم گڑھ) عظمت (دہلی) حرم (پیلی بھیت) رہنمائے تعلیم (لاہور) ہمایوں (لاہور) وغیرہ یوں تو اپنے طرز کے پسندیدہ جریدے شمار کیے جاتے تھے ان میں سے چند تو اس وقت تک جاری ہیں اور دوسرے اپنے علمی ضیاؤں سے فضا کو منور کرنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئے اور آج ان کے نام بھی ذہنوں سے اتر گئے ہیں لیکن زمانہ کے نقوش اتنے گہرے ہیں کہ ان کا مٹنا ناممکنات میں سے ہے۔ ہم نے ابھی ابھی زمانے کے بہت سارے معاصر پرچوں کے نام گنائے ہیں اگر ان تمام پرچوں کا زمانہ سے موازنہ کیا جائے تو زمانہ بلاشبہ اپنی تمام منفرد خصوصیات کے باعث سب پرچوں

---

[۱] معارف اعظم گڑھ بابت اپریل ۱۹۲۸ء

یں ممتاز قرار پائے گا۔ زمانہ ویسے تو ایک رسالے کا نام ہے لیکن حقیقتاً یہ اس صدی کے ابتدائی چار دہوں کی علمی و ادبی تنقیدی و تحقیقی اور مذہبی و تہذیبی نشیب و فراز کی مکمل اور منظم تاریخ ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی امور کی ایک ایسی انسائیکلو پیڈیا ہے جس کی اہمیت ہر دور میں باقی رہے گی۔

زمانہ کے صفحات پر ایسے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ادیبوں شاعروں مصلحوں اور سیاست دانوں کی تصاویر ان کے نام اور کام کے ساتھ شائع ہوئیں جن کے کاروبار زندگی سے ہمارے ملک و قوم کا وقار قائم ہوا جنھوں نے اپنی زندگیوں کو وطنِ عزیز کے لیے داؤں پر چڑھا دیا اور اب ان کا نام لیوا کوئی نہیں رہا۔ لیکن آئندہ نسلیں جب ان محبانِ قوم کے ذکر سے اپنے ذہن کو روشن کرنا چاہیں گی تو زمانہ وہ واحد دستاویز ہوگا جو ان کی مدد کرے گا منشی دیا نرائن نگم شاعر نہیں تھے لیکن جہاں تک شعر فہمی کا تعلق ہے وہ اس ضمن میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے جب کسی ہم عصر شاعر کی اچھی نظم یا اچھی غزل یا شاعری کی کسی اور صنف کی کوئی بہتر چیز سن لیتے تو نہ صرف یہ کہ اپنے قریبی دوستوں سے اس کا بار بار چرچا کرتے بلکہ دوسرے شائقین ادب کو بھی شاعر کی حسین تخلیق سے لطف اندوز ہونے کا موقع اس طرح دیتے کہ فوراً اسے زمانہ میں شائع کر دیتے لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ انکی حوصلہ افزائی اپنے اور پرائے دوست اور دشمن اور چھوٹے بڑے کی تشخیص سے بہت بلند تھی انھوں نے گروہ بندی سے کبھی کوئی معاملہ نہیں رکھا اور نہ زمانہ کو انھوں نے اس بیماری کا شکار ہونے دیا غالباً اسی لیے وہ ہر بڑے اور چھوٹے کی نظر میں انتہائی طور پر محترم اور معظم انسان تھے ان کے عہد کے بڑے بڑے قد آور ان شعر و سخن ان کی داد و ستائش کے حصول کے لیے بے چین و مضطرب رہا کرتے تھے اور جس شاعر کو ان کی تحسین مل جاتی تھی وہ اپنے لئے اسے سند سے کم تصور نہیں کرتا تھا۔

اکبر الہ آبادی شاعری میں اپنے رنگ اور ڈھنگ کے امام تھے ان کے بعد ان کی جیسی شاعری اردو کے کسی دوسرے شاعر سے نہ ہو سکی۔ اکبر مرحوم منشی جی کے بے تکلّف دوستوں میں تھے وہ منشی جی کو اپنا بے تکلّف دوست سمجھتے تھے انھیں اپنا کلام سنا کر جب وہ داد حاصل کرتے تو انھیں یک گونہ سکون حاصل ہوتا کہ انھوں نے وقت کے ایک بڑے پارکھ کو اپنا کلام سنایا۔

موضوع گفتگو انتہائی دل چسپ جاندار اور نظر افروز ہے اسلیئے گفتگو ختم کرنے کو دل نہیں چاہتا میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ منشی دیا نرائن نگم جیسی باغ و بہار شخصیت اور زمانہ جیسے بوقلموں اور نقش ہائے گوناگوں کے مجموعہ دلکش پر لکھنے کے لیے دفتر درکار ہوں گے اور میں تو ایک مختصر سا مقدمہ سپرد قلم کرنے کے لیے بیٹھا ہوں ہزار خواہشوں کے باوجود اپنے تسلسل کلام کو میں ان پر ختم نہیں کر سکتا۔ کاش دوسرے اہل قلم بھی منشی دیا نرائن نگم کی ادبی خدمات پر مفصل طور پر لکھ سکتے ـــــ اگر ہم نے منشی دیا نرائن نگم جیسے اردو کے بے لوث خادم کی حیات اور ان کے کارناموں کو گوشہ گمنامی میں رکھا تو اردو اور اردو والوں کے حق میں اس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہوگا یہ یاد رکھئے کہ جب ہم اردو کے کسی محسن کو دانستہ یا نادانستہ طور پر بھول جاتے ہیں تو اردو کے خوبصورت اور نظر نواز درخت کی کسی نہ کسی جڑ کو کاٹ دیتے ہیں اور آپ کم از کم اتنا تو سمجھ ہی سکتے ہیں کہ جب کسی درخت کی جڑوں کو ایک ایک کر کے کاٹ دیا جائے تو اس درخت کا حشر کیا ہو سکتا ہے؟

منشی دیا نرائن نگم کے ادبی و علمی کارناموں کو اجاگر کرنے سے ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری نسل اور ہماری نسل کے بعد آنے والی نسلوں کو اردو زبان و ادب کی خدمات کا شعور اور جذبہ ملے گا آنجہانی نگم نے اردو کی خدمات کے سلسلے میں ایک مثالی زندگی بسر کی اور اپنی بے پناہ اور عظیم قربانیوں سے

انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو کے خلاف آوازیں کتنی ہی بلند اور شدید کیوں نہ ہوں، سازشیں کتنی ہی گہری اور محکم کیوں نہ ہوں ان سے اردو کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا شرط یہ ہے کہ اردو کی خدمت کے لیے لگن بھی ہو جذبہ پختہ ہو اور اردو کے لیے ایمان مکمل ہو۔ منشی دیا نرائن نگم کی شخصیت کی آئینہ داری اس شعر سے بخوبی ہوتی ہے کہ ؎

شناوران محبت تو سیکڑوں ہیں مگر
جو ڈوب جائے وہ پکّا ہے آشنائی کا۔

مکاتیب نجم کا تنقیدی جائزہ

خطوط نگاری کی دنیا میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کے خطوط کو سنگ میل کا درجہ حاصل ہے غالب سے پہلے اردو خطوط نگاری کا اسلوب بڑا اگنجلک اور بے ہنگم قسم کا تھا اس عہد کے ادباو شعرا قارئین کے ذہنوں کو مرغوب و متاثر کرنے کے لیے زبان کے زندہ و سنجیں اور متحرک و سلیس الفاظ کا استعمال نہ کرکے حد درجہ ثقیل بھدے اور غیر مانوس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کے عادی تھے اس اسلوب و نگارش سے خطوط مقفیٰ مسجع عبارت کے حامل تو ہو جایا کرتے تھے لیکن سادگی، برجستگی اور روانی کا حسن غائب رہا کرتا تھا۔ اس تصنع اور بے لطف رنگ آمیزی کا ایک ضرر رساں اثر یہ بھی ہوتا تھا کہ خطوط کو تخیل اور تصورات اور جذبات و احساسات کا جیسا جیتا جاگتا مرقع ہونا چاہیے وہ ویسے ہو نہیں پاتے تھے اس لیے کہ مکتوب نگار تو اپنے ذہن و قلم کا سارا زور الفاظ کے گورکھ دھندوں میں صرف کر دیا کرتا تھا۔ غالب نے اپنے خطوں میں اپنے پیش روؤں کے اس طرز نگارش سے پہلی بار منظم اور مکمل طریقے سے انحراف کیا اور اپنے خطوط واقعات کو ایسی زندہ و متحرک زبان اور انقلابی آداب کا لباس عطا کیا کہ پوری ادبی دنیا انگشت بدنداں رہ گئی مرزا غالب کی خطوط نگاری کی اس مقبولیت کا خاطر خواہ نتیجہ یہ سامنے آیا کہ دوسرے ادیب و شاعر قدما کے اس فرسودہ اسلوب سے منحرف ہو گئے۔ اور اس راستے پر چل پڑے جو راستہ کہ مرزا غالب کے خطوط نے دکھایا تھا۔

خطوط نگاری اب ایک مستقل اور باقاعدہ موضوع کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ ناقدین ادب نے اس مستقل موضوع کو ایک باقاعدہ فن میں تبدیل کر کے اس کے متعلق غور و فکر شروع کر دیا ہے۔ غالب کے خطوط کے ساتھ ساتھ دوسرے ان گنت ادبا و شعرا کے خطوط کی تاسیس و اشاعت ہونے لگی ہے۔ خطوط کے درجنوں مجموعے چھپ کر قبولیت کی سندیں حاصل کر چکے ہیں۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے خطوط، شبلی نعمانی کے خطوط، مہدی افادی کے خطوط اور ترقی پسند شاعر جاں نثار اختر کی اہلیہ مرحوم صفیہ اختر کے خطوط نے اردو ادب کے نثری سرمائے میں خوشگوار اضافہ کیا ہے۔

خطوط کی اہمیت و افادیت کئی اعتبار سے مسلم ہے کسی شخص کے ذہنی نشیب و فراز اس کے ذوق، نظر اور طرز فکر کو بہتر طور پر سمجھنا ہے اور اس کے بارے میں منفی یا مثبت ڈھنگ کی کوئی رائے قائم کرنا ہے تو پھر اس کے خطوط یا رقعات کو جنھیں وہ اپنے قریب و دور کے اعزہ و اقارب اور شناسا و غیر شناسا افراد کو تحریر کرتا ہے غور و انہماک کے ساتھ پڑھنا پڑے گا اس لیے کہ خط میں خط لکھنے والے کے مزاج کی کیفیت غیر شعوری طور پر ظاہر ہوتی ہے خط کی تحریر اپنے راقم کی اصلیت کو کبھی کبھی اتنی صفائی اور خوبصورتی سے ظاہر کر دیتی ہے کہ اتنی صفائی سے کوئی فوٹوگرافر کسی کے چہرے کے خد و خال کو کاغذ پر اتارنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ خطوط کے علاوہ دیگر تحریرات میں بھی اگرچہ لکھنے والا اپنے آپ کو پیش کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن چونکہ یہاں اس کے شعور کا دخل زیادہ ہوتا ہے اس لیے بسا اوقات تحریر میں رنگ آمیزی ہو جاتی ہے۔ یہاں آدمی یا تو شعوری طور پر اپنے آپ کو پوشیدہ کرتا ہے یا پھر حقائق سے کچھ زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اس طرح کی مثالیں ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں کے یہاں اکثر و بیشتر دیکھنے کو ملتی ہیں ان کے یہاں ... انسانیت کو سنوارنے کے نسخوں کی تو فراوانی ہے لیکن خود ان کے عمل ان نسخوں سے کوسوں دور رہیں۔

منشی دیا نرائن نگم نے ماہنامہ زمانہ کی ادارت کے فرائض ایک طویل مدت تک انجام دیئے اس رسالے کو انھوں نے اپنی ذاتی محنت اور لگن سے برصغیر کا سب سے معتبر۔ مستند اور مقتدر رسالہ بنایا اس بات کا ثبوت آپ کو رسالے کے صفحات پر درج ان کی شخصیات کے رشحات قلم کے مطالعہ سے مل سکتا ہے جو اپنے وقت کے ائمۂ شعر و ادب تھے ادبا اور شعرا کی اس صف میں شبلی نعمانی حالی اور اکبر الہ آبادی سے لے کر جگر مراد آبادی اور منشی پریم چند تک شامل ہیں زمانہ کی اتنی طویل مدت پر مشتمل ادارت اور اتنے وسیع پیمانے کے ادبا اور سماجی تعلقات کے پیش نظر اس بات کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ منشی دیا نرائن نگم نے ہزاروں کی تعداد میں خطوط لکھے ہوں گے یہ الگ بات ہے کہ ان کے خطوط اب آشوب زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔

کئی سال کی مسلسل جد و جہد کے بعد منشی دیا نرائن نگم کے جو خطوط میری دسترس میں آسکے ہیں ان کے عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر منشی جی کے زاویہ نگاہ اور رجحان طبع کو بہتر طور پر سمجھنا ہے تو پھر ان کے خطوط کا مطالعہ ناگزیر ہے منشی جی نے اگرچہ درجنوں مضامین و مقالات بھی سپرد قلم کیے ہیں اور زمانہ کی ادارتی تحریر جو رفتار زمانہ کے مستقل عنوان سے شائع ہوا کرتی تھی اپنی جگہ بڑی اہمیت کی حامل ہے ان تحریروں کے ذریعے منشی جی نے بڑے بڑے ادبی سیاسی، مذہبی اور تہذیبی مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے خطوط کی اہمیت و افادیت اس لیے زیادہ ہے کہ ان میں منشی جی کی نفسیات سیرت اور اخلاقی کمالات کے دریچے کھلتے نظر آتے ہیں۔

منشی جی کے خطوط کا یہ مجموعہ پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ کیا جا رہا ہے اس میں شامل بیشتر خطوط غیر مطبوعہ ہیں چند خطوط اس میں ایسے بھی ہیں جو نقوش لاہور اور زمانہ کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکے

ہیں ایسے خطوط کو بھی میں غیر مطبوعہ خطوط کے زمرے میں شامل کرتا ہوں۔ کیوں کہ بہت کم لوگوں کی نگاہوں کے سامنے سے وہ گزرے ہیں اور اگر گزرے بھی ہیں، تو اب ان کا کوئی نقش دلوں پہ باقی نہیں ہے ان منتشر مکاتیب کو یکجا شکل میں پیش کرنے کا واحد مقصد منشی جی کی علمی وادبی شخصیت کے اصلی جوہر کو طشت از بام کرنا ہے جس کی آج کے حالات اور ماحول میں اشد ضرورت ہے۔

ہم نے جو خطوط ترتیب دیئے ہیں ان میں ایک بڑی تعداد ایسے خطوط کی ہے جنھیں منشی جی نے اپنے دو قریبی احباب منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی اور کیپٹن سوریہ پرتاپ (حق پرست) کے نام سپرد قلم کیے ہیں۔ ان خطوط میں کچھ طویل ہیں اور کچھ بہت مختصر، خطوط کی طوالت اور اختصار ضرورت کے مطابق ہے۔ منشی جی باعمل انسان تھے ضرورت سے زیادہ نہ وہ بولتے تھے اور نہ ہی لکھتے تھے۔ ان کے دوسرے مضامین ومقالات میں بھی یہی اصول پیش نظر رکھا گیا ہے یعنی وہ غیر ضروری الفاظ اور جملوں سے بوجھل نہیں کیے گئے کم سے کم الفاظ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ گفتگو کرکے اپنے مخاطب کو کلّی وشافی ڈھنگ سے مطمئن کرنے کے گر سے وہ پورے طریقے سے واقف تھے۔ منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی اور کیپٹن سوریہ تاپ (حق پرست) کے علاوہ جن دوسرے ادیبوں اور شاعروں کے نام ان کے خطوط کی تلاش وتحقیق میں ہم کامیاب ہوئے ہیں ان میں جوش ملیح آبادی، جگر بریلوی، مولانا احسن مارہروی، سید رفیق مارہروی، سلیم جعفر، عبدالرزاق قریشی مولوی، اظہار الحسن وکیل غازی آباد، پروفیسر سنت پرشاد مدہوش، مسعود حسن رضوی ادیب، مرحوم المحشر بدایونی، یحییٰ تنہا، حسن یحییٰ۔ علامہ ثاقب کانپوری وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام حضرات کے نام تحریر کردہ خطوط کے مطالعہ کے بعد منشی دیا نرائن نگم کی شخصیت کا جو پہلو سب سے پہلے سامنے

آتا ہے وہ یہ کہ بحیثیت جریدہ نگار یا مدیر وہ کامیابی کے آخری زینے تک پہنچے تھے ایک بڑے اور کامیاب جریدے کے مدیر کو جس سبھاؤ اور سلیقے کا انسان ہونا چاہیے منشی جی بالکل ویسے ہی تھے وہ اپنے سے بڑوں کے سامنے خاکساری اور عجز و انکساری کی مجسم تصویر تو بنے ہی تھے لیکن چھوٹوں کے سامنے بھی ان کا یہی سبھاؤ رہتا تھا۔ بڑا بننے کی کوشش میں انھوں نے غیر انسانی اصولوں کا سہارا کبھی نہیں لیا انکے مزاج کی یہ یکسانیت اور طبیعت کا یہ رجحان ہر چھوٹے بڑے ادیب شاعر اور دیگر شائقین ادب کو اپنا گرویدہ بنانے میں کامیاب رہا۔ ان کی اسی نیاز مندانہ فطرت کا یہ کرشمہ تھا کہ زمانہ کی محفل میں ہر مسلک اور ہر مکتب افکار کے افراد شامل تھے انھوں نے دوسرے جریدہ نگاروں کی طرح ادبی گروہ بندیاں قائم کر کے تنازعہ یا اختلافات کی دیوار نہیں کھڑا کی کی اور نہ ہی کسی ایک ادبی گروہ کی تائید و حمایت کر کے دوسرے گروہ پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم حرکت کی۔ وہ ایک ذمہ دار مدیر تھے اس لیے سب کے حقوق کے ساتھ اپنے فرائض سے بھی واقف تھے انھوں نے سب کو خلوص و محبت دیا . . . .

. . . . اس لیے سب نے انھیں دل کے نہاں خانے میں جگہ دی اور اپنے پورے تعاون و اشتراک سے نوازا۔

ہم ابھی آپ سے یہ بتا رہے تھے کہ منشی جی کی فطرت نیاز مندانہ تھی وہ خواہ مخواہ کی اکڑ خوں کے مرض میں مبتلا نہیں تھے ان کا کوئی شناسا یا ملاقاتی جب ان . . . . علمی و ادبی خدمات سے متاثر ہو کر ان کے لیے تعریفی کلمات استعمال کرتا تو اپنی اصلا انسانی اقدار کے پیش نظر وہ اس کا بہ تن احسان مند ہو جاتے دوسروں کی طرح سنی کو ان سنی کرنے کی عادت ان میں نہیں تھی منشی جی کی شخصیت کے اس پہلو کی مثال ہم ایک واقعے سے دینا پسند کریں گے۔

شائقین ادب حضرت جوش ملیح آبادی کی انانیت پسند طبیعت سے واقف

ہیں۔ وہ اپنی قوتِ زبان و بیان پر حد درجہ نازاں تھے اور اپنے سامنے دوسروں کو ہمیشہ ہی ہیچ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی علمی و ادبی شخصیات میں سے کسی کے بارے میں بابدو شاید ہی انھوں نے کوئی مدحیہ شعر کہے ہوں گے اس سلسلے میں منشی دیا نرائن نگم بڑے خوش قسمت واقع ہوئے تھے کیوں کہ شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی ان کی علمی اور ادبی خدمات کے مداح و معترف تھے اور اپنی مدح و اعتراف کے اظہار کے لیے انھوں نے ایک طویل نظم بھی سپردِ قلم کی تھی جس کا عنوان انھوں نے "نگاہ خلوص بیں" رکھا تھا اپنی اس خوبصورت اور رواں دواں نظم میں شاعر انقلاب نے آنجہانی منشی دیا نرائن نگم کی ادبی خدمات اور صحافتی دیانتداری کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ سراہا ہے نظم کو ہم اس قابل سمجھتے ہیں کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں اس مقصد کے پیشِ نظر پوری نظم یہاں درج کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نہ پوچھ ذوقِ سفر کو میرے کہ اکثر اس بزمِ آب و گل میں
کبھی بیابانِ غم میں پہنچا کبھی شبستانِ جم کو دیکھا
کبھی برہمن کا روپ بھر کر، کبھی حق آگاہ شیخ بن کر
ضیائے شمعِ حرم کو جانچا، فروغِ بیت الصنم کو دیکھا
کبھی تفکر کی روشنی میں فلک کو کھولا زمین کو پلٹا
کبھی صحافت کے آئینے میں عرب کو پرکھا عجم کو دیکھا
کبھی لیا درسِ زندگانی، کبھی سنی موت کی کہانی
کبھی کتابِ وجود کھولی، کبھی نصابِ عدم کو دیکھا
کبھی حوادث کے عقدہائے فساد انگیز پر نظر کی
کبھی زمانہ کی کاکلوں کے جنوں فزا پیچ و خم کو دیکھا
کبھی دماغِ گرہ کشا نے اساسِ علم و عمل کو تولا
کبھی نگاہِ کرشمہ بیں نے بطونِ دیر و حرم کو دیکھا

کبھی جنوں خیز جھٹپٹے میں، ترنم آہ پر فغاں کی
کبھی طلوع سحر کی رو میں تبسم چشم نم کو دیکھا
کبھی طرب میں نگہ اٹھا کر، کبھی تفکر میں سر جھکا کر
فلک کی رفعت نظر میں تولی زمیں کے جاہ و حشم کو دیکھا
کبھی تمدن کے فرش گل پر ٹھہر کے وحشت کی لگاوٹ
کبھی مصیبت کے راستے سے پلٹ کے ناز و نعم کو دیکھا
کبھی یم بے کراں کے اندر ملا فقط اک حقیر قطرہ
کبھی ہر اک قطرۂ تنک میں خروش صد موج یم کو دیکھا
کبھی کلاہ شہنشہی میں نظر پڑا کاسۂ گدائی
کبھی سر کاسۂ گدائی شکوہ طبل و علم کو دیکھا
کبھی لگاتار ارتقا کی تلاش پیہم کے سلسلے میں
سراغ جہل و جنوں کو پایا بنائے سیف و قلم کو دیکھا
کبھی عداوت کے حاملوں کی ہر اک ادا پر نگاہ ڈالی
کبھی محبت کے رہروؤں کے ہر ایک نقش قدم کو دیکھا
خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ اس پراگندہ زندگی میں
خیال ہر خیر و شر میں ڈوبا مآل ہر بیش و کم دیکھا
مگر مجھے یہ بڑی خوشی ہے کہ اس تماشائے تو بہ تو میں
مری نگاہ خلوص بیں نے دیا نرائن نگم کو دیکھا

خلوص و محبت اور عقیدت و احترام کا انجام خلوص و محبت اور جاں نثاری ۔ ۔ ۔ ۔ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور ہمیں امید بھی اسی بات کی کرنی چاہیے بصورت دیگر خلوص و محبت کی قدر قیمت باقی نہیں رہ سکتی۔ جوش ملیح آبادی کے اس جذبۂ خلوص و محبت کا جواب اگر انھیں کے سے لب و لہجے کے ساتھ نہ دیا جاتا تو یہ ایک غیر ادبی و غیر انسانی عمل

قرار پاتا اور منشی دیا نراین نگم جیسے ہوش و خرد کے انسان سے اس طرح کے فعل کی امید کی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ لہٰذا منشی جی نے اس خلوص بے پایاں کا جواب کچھ اس انداز سے دیا کہ خلوص و محبت کا حق پوری شد و مد سے ادا ہو گیا۔ ضرورت کے پیش نظر منشی دیا نراین نگم کا وہ تاریخی خط جسے انھوں نے جوشؔ کی نظم کے جواب اور شکریے کے طور پر لکھا ہے نذر ناظرین ہیں کیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

نفس کو تعریف کا عادی بنانا میں نے ہمیشہ جرم سمجھا اور "زمانہ" کو بھی اس معصیت سے بچائے رکھا ہے اس طرح جیسے کوئی ماں اپنی بیٹی کو نگاہ بد بین سے بچاتی ہے۔

پرچے میں شاذ و نادر ہی کبھی آپ نے میرا ذکر یا احباب کی خواہ مخواہ تعریف دیکھی ہوگی۔ ہاں جب کسی کے کمال کی حکومت دل پر قائم ہو جاتی ہے تو مجبوراً و معذوراً دو چار سطریں قلم سے نکل جاتی ہیں مگر ان سطروں کو آپ وہی درجہ دیجیے جو اہل حکومت خراج کو دیتے ہیں بعض احباب اس کو طبیعت کا فطری بخل سمجھتے ہیں بعض اسے تجاہل عارفانہ یا غرور بیجا کہتے ہیں مگر میں اپنی جگہ پر اس خصلت سے جو میری جزو طبیعت ہو گئی ہے شرمندہ نہیں ہوں۔ اور شاید معمولی سی ادا کارساز حقیقی یا منتظم عالم کو بھا گئی اور آج اس نے عمر بھر کی کمائی کا حساب آپ کی نظم کی صورت میں بیباق کر دیا ہے۔ شاید میرے انعام (اگر میں کسی انعام کا مستحق تھا) اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ اتنا افسوس ہے کہ میں دولت دنیا سے محروم ہوں ورنہ آج قارون کا خزانہ بھی ہوتا تو آپ کے محبت بھرے اشعار پر تصدق ہو جاتا خواہ بچے روتے اور دنیا جو چاہتی کہتی مگر یہ بھی عنایت ایزدی ہے کہ آپ کی نیت کی داد دینے کی جرأت کرنے کا بھی امکان نہیں ہے، ورنہ کمال فن اور خلوص قلب دونوں کو اپنی اپنی جگہ شرمندگی سے منھ چھپانا پڑتا۔

آپ کی نظم سننے کے بعد میری کیا حالت ہوئی ہے شاید آپ مبالغہ سمجھیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ میرے قلب کی کیفیت ناقابل اظہار ہے۔

آپ کے اشعار کا اہل ہونے کے لیے میں ایک نہیں، اپنے کئی جنم نثار کرنے کو تیار ہوں کسی انسان کو اس نظم کی تمنا میں سو برس بھی جینا پڑے تو کم ہے دعا کیجیے کہ شاعر کے لافانی اشعار کہیں مجھے مغرور نہ بنا دیں اور کہیں ان سے نفس کی بدی کو تقویت نہ مل جائے۔ زندگی کے چند لمحے جو باقی ہیں اسی قرینے سے کٹ جائیں، اور بعد کو اہل نظر کو یہ کہنے کا حق نہ ہو کہ جوش جیسے نکتہ رس شاعر کی نگاہ خلوص بیں بھی دھوکا کھا گئی۔

میرے لیے یہ اشعار حاصلِ زندگی ہیں خدا کرے آپ کو یا مجھ کو ان کے لیے کم سے کم اس جہان آب و گل میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

کہنے کو تو یہ ایک خط ہے جس میں ایک شخص کے نجی معاملات کی نشاندہی ملتی ہے لیکن اس کے لفظی پیکر میں ایک منظم اور مہذب دل و دماغ کے جو گل بوٹے اور اعلاظرفی کے جو عناصر شامل ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں اور کہنے والی کی شخصیت کی عمدہ نمائندگی کرتے ہیں، اس کے علاوہ پورے خط میں تحریر کی سادگی اور اس کی پرکاری اور سنجیدگی کے ساتھ اس کی نفاست اور حسن کی جو تصویر ابھرتی ہے اس کی دلآویزی ایک علاحدہ خوبی ہے جو دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔

اس وقت ہم منشی دیا نرائن نگم کے خطوط کی روشنی میں ان کی شخصیت کے اس رخ کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں جو ان کے اخلاقی کمالات اور رواداراںہ اور مہذبانہ سبھاؤ پر دلالت کرتے ہیں ایسی صورت میں ایک اور واقعے کی نشاندہی بے محل رہے موقع نہ ہوگی۔ مولانا احسن مارہروی مرحوم کے علمی و ادبی کمالات سے ہر صاحب ذوق واقف ہے وہ بڑی خوبیوں اور صفتوں کے انسان تھے ماہنامہ زمانے میں قلمی معاونین میں وہ شروع ہی سے شامل تھے اور منشی جی ان کی رشحات اور نظموں اور غزلوں کو قدر و منزلت کے ساتھ شائع کرتے تھے۔

اس طرح سے دونوں کے درمیان ایک مضبوط قسم کا رشتہ اخلاص ومحبت قائم تھا۔ پھر کچھ ایسا ہوا کہ منشی جی کی طرف سے ایک طویل خاموشی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مدت میں انھوں نے نہ تو مولانا احسن مرحوم کو کوئی خط لکھا اور نہ ہی ان سے ان کی کسی تخلیق کی فرمائش کی۔ یہ روش مولانائے محترم کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ منشی دیا نرائن نگم کی شخصیت میں کچھ ایسی مقناطیسیت تھی ہی جو لوگوں کو کسی صورت میں بھی ان سے جدا نہیں ہونے دیتی تھی۔ لہذا منشی جی کے اس سکوت کو توڑنے کے لیے اور پرانی رفاقت کو نئی روح اور نئی زندگی سے ہم آہنگ کرنے کی غرض سے مولانا احسن نے "شکوۂ احسن" کے نام سے ایک منظوم خط لکھا اس نظم میں انھوں نے محبت سے لبریز ایک ایسی فریاد پیش کی کہ منشی جی کا دل تڑپ اٹھا ان کا دل جو نرمی اور ملائمت اور حلم و درد کا مسکن تھا ایسی درد بھری فریاد پر خاموش بھی کیسے رہ سکتا تھا تو لیجئے آپ بھی "شکوۂ احسن" ملاحظہ فرمائیے اور یہ دیکھئے کہ اس وقت کے سربر آوردہ اور مقتدر علمی و ادبی شخصیتوں کے ذہنوں پر زمانہ کے نقوش کتنے گہرے تھے نظم ملاحظہ ہو:

حقیر خادم اردو ہے اس زمانے کا
کہ اس "زمانہ" کا جب تک ہوا نہ تھا آغاز
جب اس کی عمر کا دنیا میں سال اول تھا
تو میرے طائر سن کی تھی تیس میں پرواز
بایں تفاوت عمری بہم یہ ربط رہا
کہ تازہ ہوتا تھا ہر ماہ لطف راز و نیاز
اب آکے تین برس سے یہ برہمی دیکھی
کہ یک قلم ہوئے متروک وہ قدیم انداز

نہ گم ہوں کیوں مرے ہوش و خرد جناب نگم
سنیں اگر نہ توجہ سے آپ یہ آواز
سزا نہ دیجئے کوتاہ قلمیوں کی مجھے
کہ دامن کرم و لطف آپ کا ہے دراز
مرا وجود ہے کیا اور میری خدمت کیا
معاونوں میں ہیں اس کے بڑے بڑے ممتاز
زبان خامہ سے قاصر رہا ہوں گو اکثر
مگر ہے دل کو دعا گوئیوں پہ اپنی ناز
دعا ہے اب تو یہی بارگاہِ قدرت سے
کہ ہو زمانہ کی مانند خضر عمر دراز
ہر ایک حال میں احسن یہ فرض ہے اپنا
زمانہ یا تو بسازد تو با زمانہ بساز

اس منظوم خط کے بعد دونوں عظیم شخصیتوں کے درمیان پرانے تعلقات پھر سے قائم ہو گئے اور خط و کتابت کا سلسلہ جو عرصے سے منقطع تھا از سرِ نو قائم ہو گیا۔ تجدید رفاقت کے بعد منشی جی نے جو خطوط انھیں لکھے ہیں ان میں ایک خط کا اقتباس بغرض ملاحظہ پیش کیا جا رہا ہے منشی جی لکھتے ہیں:

آپ نے باوجود علالت طبع کے ۲۹ جولائی کے عریضہ کا جواب باصواب ۹ اگست کو عنایت فرمایا۔ مگر میری بے بسی دیکھئے کہ معمولی صحت قائم ہونے کے باوجود آج پندرہ سولہ دن کے بعد جواب لکھنے بیٹھا ہوں حالانکہ بلا مبالغہ اور تصنع عرض ہے کہ قریب قریب روزانہ عریضہ لکھنے کا خیال آتا رہا۔

آپ نے اس علالت کے باوجود زمانہ کے لیے غیر مطبوعہ غزل بھیج کر جو احسان کیا ہے اس کا شکریہ میرے امکان سے باہر ہے یوں تو پوری

غزل مرصع ہے مگر غزل سے بھی زیادہ قابل قدر یہ خیال ہے کہ آپ نے میرے تقاضہ کا خشک جواب دینا گوارا نہ کیا یہ مروت و وضع داری آج کل کی نئی پود سے مفقود ہوتی جا رہی ہے۔

منشی جی انتہائی مصروف زندگی گذارتے تھے زمانہ کی ادارت کی علاوہ دیگر سماجی کاموں میں وہ اتنا مصروف رہتے تھے کہ مشکل سے ہی فرصت کی کوئی گھڑی انھیں نصیب ہوتی تھی مگر لوگ تھے کہ ان کے قیمتی اوقات کا اندازہ نہیں کرتے تھے اور بلا مقصد ہی تضیع اوقات کر دیا کرتے تھے چنانچہ مولانا احسن نے جب اپنے تضیع اوقات کا ذکر کیا تو اس کے جواب میں اپنے خط میں منشی جی انھیں لکھتے ہیں کہ :

"احباب کی بدولت تضیع اوقات کی جو کیفیت آپ نے لکھی ہے اس کا مجھے ذاتی طور پر بخوبی تجربہ ہے روزانہ دن کے کئی گھنٹے اسی طرح بیکار ضائع ہو جاتے ہیں عجیب بات ہے کہ احباب کو اپنے ذرا سے کام کے لیے دوسروں کا بیش قیمت وقت ضائع کرنے میں مطلق تکلیف نہیں ہوتی۔ اس پہ لطف یہ کہ دو منٹ میں اپنا مرکوزِ خاطر بیان کرنے کے بجائے گھنٹے آدھ گھنٹے ادھر ادھر کی فضول باتوں میں گذار دیتے ہیں میں بھی بعض اوقات پریشان ہو جاتا ہوں مگر بزرگوں کی رواداری اور رعایت کی مثالیں دیکھنے کے بعد کاروباری حیثیت سے تضیع اوقات ناممکن نہیں ہے"

خط کی سطور کے مطالعہ کے بعد بادی النظر میں جو بات سب سے پہلے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ منشی جی کی طبیعت استبدادی واقع نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی عجب و غرور کی کیفیت کو انھوں نے کبھی ہوا دی رحمدلی و مروت ان کا شیوۂ خاص تھا، ان کا دل شیشے کی طرح صاف تھا نفرت و حقارت اور بغض و عناد کی آلائش سے اپنے من کو انھوں نے کبھی پراگندہ نہیں کیا۔ اب یہ ناساعد حالات کی بات ہے کہ کبھی کبھار لوگوں کو ان کے

خطوط کے لیے کافی انتظار کرنا پڑ جاتا تھا۔ ورنہ خط لکھنے میں کبھی تساہل یا لاپرواہی سے کام نہیں لیتے تھے۔

مذکورہ نظم کے نہج اور پیرایے کی ایک اور شکایتی نظم ہے۔ اسے اردو کے نامور شاعر جناب درگا سہائے سرور جہان آبادی نے سپرد قلم کیا ہے مذکورہ نظم اپنے موضوع اور بیان کے اعتبار سے اتنی اہم اور پیاری ہے کہ اسے بھی قارئین کی نذر کرنے کو دل چاہتا ہے سرور صاحب لکھتے ہیں

بھیجا نہ کوئی پرچہ لکھ کر زراہِ شفقت
اگلی سی کیا نہیں وہ مجھ پر نگاہ شفقت

کہنا مرے مکرم سے اے نسیم جا کر
دیوار خامشی ہے کیوں سدِ راہ شفقت

شرمندہ کرم ہے اب تک غلام دیرین
اگلی نوازشیں ہیں اب تک گواہ شفقت

تم وہ تمھاری شفقت خو کردۂ تغافل
میں وہ مجھے تغافل پر اشتباہ شفقت

آنکھیں بچھائے بیٹھا ہوں کوئے آرزو میں
چشم کرم ادھر بھی صاحب، زراہ شفقت

تم کو قسم ہے میری حرماں نصیبیوں کی
میں کب سے منتظر ہوں مجھ پر نگاہ شفقت

درگا سہائے سرور جہان آبادی ایک عالی مرتبت شاعر تھے اور شاعری کو بحیثیت فن انھوں نے جس چابک دستی کے ساتھ برتا ہے اس سے ناقدین ادب اچھی طرح واقف ہیں لیکن دوسرے ادیبوں اور شاعروں کی طرح اپنی ذاتی اور ادبی زندگی کی تکمیل کے لیے انھوں نے بھی اپنے یکتائے روزگار معاصر مرحوم منشی دیا نرائن نگم کی نگاہ شفقت کو

ضروری سمجھا۔ نگاہ شفقت اپنی سرشت کے اعتبار سے ایک ایسی متاع گراں ہے جو ہر ایک کے یہاں نہیں ملتی اور جس شخص کے یہاں اس کا وجود ہو وہ واقعتاً عظیم انسان ہے منشی دیا نراین نگم ایک ایسے ہی انسان تھے ایک عظیم اہل قلم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ دردِ دل اور سوزِ محبت کے امین بھی تھے اور ان کی جھولی میں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو دینے کے لیے بہت کچھ موجود ہوتا تھا ورنہ زندگی کے کار زار میں یوں کوئی کسی کے سامنے عقیدت ... اور احترام کا سر نہیں جھکاتا جس نظم کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اس کے ...... ایک ایک لفظ منشی دیا نراین نگم کی عظمت اور بلندیِ کردار کی شرح پیش کرتے ہیں اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دونوں فاضل شخصیات کے درمیان جو رشتہ اور تعلق تھا وہ خلوص اور نیکی کی بنیادوں پر قائم تھا۔ درد اور خلوص کا رشتہ کتنی قربانیوں اور آزمائشوں کے بعد قائم ہوتا ہے یہ کہنے کی نہیں سمجھنے کی چیز ہے۔

ابھی تک ہم نے خطوط کی روشنی میں منشی جی کے وضعدارانہ سبھاؤ کی بات ہے اب ان کی شخصیت کے ایک دوسرے خاص پہلو کی طرف آئیے اور وہ پہلو ہے ان کی انصاف پسندی وہ بظاہر تو ایک ہندو خاندان کے فرد تھے اور عقیدے کے اعتبار سے ہندو تھے لیکن ان کی ذات اور خدمات کسی ایک فرقے تک محدود نہیں ہیں مختلف النسل مختلف المذاہب اور مختلف اللسان افراد سے ان کے معاملات و مراسم تھے۔ حالانکہ وہ آزادی وطن کے جاں نثار اور غلامی و محکومی کے دشمن تھے لیکن اس کے باوجود ان کے تعلقات انگریز حاکموں سے بھی خراب نہیں تھے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی فرقے کے ساتھ کوئی ناانصافی ہوتی ہو اور خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہے ہوں مسجد کانپور جب شہید کی گئی تو انگریز حاکموں کے خلاف مسلمانوں کی حمایت میں وہ سینہ تان کر کھڑے ہو گئے اور اپنے ہفتہ وار اخبار آزاد کے

ذریعے مسلمانوں کی حمایت کی پوری جنگ لڑی۔

۱۹۳۸ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان اردو ہندی اور ہندوستانی کے تعلق سے ماہنامہ زمانہ میں ایک طویل بحث چھڑی۔ ہوا یوں کہ جگر بریلوی نے زمانہ میں ایک مضمون لکھا اپنے اس مضمون میں انھوں نے اردو کی حمایت کی تھی ان کے اس مضمون کا چھپنا تھا کہ بحث و مباحثے کا دروازہ کھل گیا۔ کیپٹن سوریہ پرتاپ (حق پرست) سلہ نے جگر بریلوی کے مضمون کی مخالفت میں ایک زبردست مضمون لکھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے اس مضمون میں انھوں نے ان نظریات ورجحانات سے پوری شد و مد سے انحراف کیا، جن نظریات ورجحانات کی آنجہانی جگر بریلوی نے حمایت کی تھی۔ یہ بحث جب طوالت اختیار کر گئی تو آخر منشی دیا نراٸن نگم نے مداخلت کی ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء کو انھوں نے حق پرست کے نام ایک خط لکھا اس ایک خط کو پڑھ لینے کے بعد اس امر کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ حق و انصاف کا کس قدر پاس رکھتے تھے اور حق و انصاف کا پرچم بلند کرنے میں وہ اپنے اور پرائے اور ہندو اور مسلمان کی تمیز کبھی نہیں کرتے تھے یہ ان کی شخصیت کا ایک بڑا ہی اہم پہلو ہے اور لوگ اس سبب سے بھی ان کا بڑا لحاظ اور احترام کرتے تھے ہم اس خط کا ایک اقتباس یہاں پیش کرتے ہیں جسے پڑھ کر آپ روحانی طمانیت محسوس کریں گے معاملے کی وضاحت کرتے ہوئے حق پرست کو وہ لکھتے ہیں:

ہندی اردو کے متعلق مجھے آپ کے مسلک سے اختلاف رائے ہے مگر میں آپ کے جذبات کا دلی قدرداں ہوں کسی زبان

سلہ کیپٹن سوریہ پرتاپ اسی نام سے زمانہ میں لکھا کرتے تھے۔ پریم چند کی طرح انھوں نے بھی منشی دیا نراٸن نگم کے اشارے پر اپنا یہ فرضی نام اختیار کیا تھا۔

سے تعصب کبھی بر حق نہیں ہو سکتا ہے اس سے ہندوؤں کا کوئی نفع نہیں اور اس سے ان کے خیالات میں نہ کوئی وسعت اور نہ کوئی گہرائی پیدا ہوتی ہے میں خوش ہوں گا اگر ہندو جلتی زبانوں میں ممکن ہو کمال حاصل کر سکیں امید ہے آپ بھی جب ٹھنڈے دل سے غور کریں گے میرے عنقریب ہم خیال ہو جائیں گے۔۔۔"

حق پرست کے نام ایک دوسرے خط میں ۲۴ جون ۱۹۴۰ء کو وہ یوں رقمطراز ہیں۔

..... آپ ایسے ماحول میں ہیں جہاں آپ کو مسلم خطرہ جتنا واقعی ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کو نظر آ رہا ہے۔ میرے خیال میں ہندوؤں کو مسلمانوں سے اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں جتنا کہ اپنے اندرونی جھگڑوں اور اپنی تمدنی کمزوریوں سے یہی ان کے زوال اور پستی کا باعث ہیں، اس کا علاج خود انکے ہاتھوں میں ہے لیکن وہ بالکل غیر منظم ہیں اور اب جس قدر کوششیں ہو رہی ہیں ان سب پر دوسروں کا خوف غالب ہے"۔

اس خط سے اس بات کا بھی پورا اظہار ہوتا ہے کہ وہ ہندو فرقے کے ایک ایسے بیدار مغز فرد تھے جو صحیح معنوں میں اپنے فرقے کی اصلاح کر کے اسے ہر اعتبار سے منظم اور مکمل دیکھنا چاہتے تھے، ہندو ہوں یا مسلمان اگر صحیح ڈھنگ سے اپنے اپنے فرقے کی اصلاح پر کمر بستہ ہوں تو ٹکراؤ اور تنازعہ کی صورت ہی نہیں پیدا ہو سکتی۔ منشی جی نے اس گر کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اور اسی لیے اس کلیے پر وہ عمر بھر عمل کرتے رہے تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اس ملک میں امن اور امان کی زندگی گذارنے کا پورا موقع مل سکے ہندوؤں اور مسلمانوں کی یکساں خیر خواہی سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہیں تھا کہ دونوں فرقے کے لوگ باہم شیر و شکر ہو کر رہیں اس لیے کہ:-

مل جل کے برنگ شیر و شکر دونوں کے نکھرتے ہیں. جو ہر
دریاؤں کے سنگم سے بڑھ کر تہذیب کا سنگم ہوتا ہے

ملشی جی کا نقطۂ نظر عمر بھر نکھارا رہا اب اگر کسی فرقے کے لوگ انھیں مشکوک نگاہ سے دیکھیں تو اس کا کیا علاج۔ تہذیبی سنگم کی تعمیر میں عمر کھپانے والے باپو جی کے سینے کو بھی تو چھلنی کیا گیا. کیپٹن سوریہ پرتاپ پر اردو دشمنی کا بخار جب خود بڑی شدت سے حملہ آور ہوا تو انھوں نے اسابات کا تہیہ کر لیا کہ وہ اب اردو زبان میں لکھنا ہی ترک کر دیں گے۔ دیکھیے معاملہ بہت نازک ہے۔ ایک شخص ہے جو سمجھ بوجھ کر پورے ہوش و حواس کے ساتھ اردو زبان کو ترک کرنے پر کمربستہ ہوتا ہے ایسے آدمی کو اس کی ضد اور ہٹ سے باز رکھنے کے لیے کون سا نسخہ کارگر ہو سکتا ہے اس کا پتہ ملشی جی کو اچھی طرح ہے وہ حق پرست کو کس دانشمندی کے ساتھ راہ راست پر لاتے ہیں۔ اس کا اندازہ ذرا کیجیے۔ وہ لکھتے ہیں؛

"مغلرٹ مرسلہ بھی ملا اب زمانہ کا مضمون بھی اسی نام سے شائع ہونا چاہیے میں نے جو کاٹ چھانٹ کی ہے ایشور کرے آپ ناپسند نہ کریں۔ میری رائے میں غیر متعلق امور کے نظر انداز کرنے کے بعد مضمون بہت چست ہو گیا ہے کیا اچھا ہو ان مضامین کے لیے حق پرست بار است گو کا نام تجویز کریں۔ اردو تو خوب لکھتے ہیں اور کیوں نہ ہو۔ آخر تمام عمر پڑھنے لکھنے میں ہی تو بسر ہوئی ہے لہذا اگر آپ کا مضمون لوگوں کو پسند آیا تو اس کے لیے آپ قابل مبارکباد ہیں۔ بہرحال کم از کم میرے اور زمانہ کی خاطر اردو میں لکھنے کو گناہ کبیرہ نہ سمجھیے۔ اور اگر گناہ کبیرہ سمجھتے ہی ہیں تو خاطر احباب بھی تو کوئی چیز ہے۔"

قربان جائیے اس شخص پر جس کا ذہن جس کا ضمیر جس کی عزت و آبرو جس کا سونا اور جاگنا اور جس کی زندگی اور موت سب کچھ اردو زبان اور اسکی تشکیل و اشاعت سے وابستہ ہو گئے تھے آپ ہی سوچیے اگر وہ حق پرست

اور نہ ایسے دوسرے اردو دشمنوں سے منت سماجت کرکے اردو بولنے اور اس زبان میں خامہ فرسائی کرنے کے لیے انھیں تیار نہ کرتے تو بھی ان کی بڑائی اور عظمت میں کلام نہیں ہوسکتا تھا اور لوگوں کو ان کی اردو دوستی مشکوک نظر نہیں آسکتی تھی پھر وہ کون سا جذبہ تھا جو انھیں اس طرح کی سرگرمیوں میں مصروف رکھتا تھا۔ اس سوال کا واحد جواب یہ ہے کہ اردو زبان ان کا دین و ایمان بن چکی تھی نیک نیتی اور خلوص دل سے وہ گلشن اردو کی آبیاری کرتے تھے افسوس اس بات کا ہے کہ آج اردو کے لیے نعرے بلند کرنے والوں کی تو کمی نہیں ہے لیکن اس کو اپنا دین و ایمان بنا لینے والا منشی دیا نرائن نگم جیسا ایک بھی فرد نہیں ہے۔

میں نے ایک مقام پر کہیں لکھا ہے کہ منشی دیا نرائن نگم اور زمانہ کانپور دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اپنی دنیاوی زندگی میں انھوں نے رسالہ زمانہ کو سب سے محبوب شئے سمجھا اس پر آنے والی ہر آنچ اور ہر آفت سے ان کا دل لرز جاتا تھا اس کو زندہ و سلامت رکھنے کے لیے انھوں نے اپنا سکھ چین سب گنوا دیا تھا۔ اس حقیقت کا اعتراف آپ کو ان کے ان خطوط سے بخوبی ہوسکتا ہے جو وقتاً فوقتاً انھوں نے دوستوں کو لکھے ہیں اس طرح کا ایک طویل خط انھوں نے زمانہ کے قلم کار جناب سلیم جعفر کے نام بھی لکھا ہے یہ خط بہت طویل ہے لہٰذا اس کے ایک اقتباس پر ہی اکتفا کروں گا۔ منشی جی رقمطراز ہیں۔

میری حالت یہی ہے کہ جو بوجھ سر پر لاد لیا ہے اس کو حتی الوسع سنبھالے رکھنا چاہتا ہوں لیکن دل میں گرمجوشی باقی نہیں ہے اور طبیعت بھی اب سست ہوگئی ہے پھر بھی ہمت ہار کر بیٹھنا نہیں چاہتا۔ اور آخر تک یوں ہی گھسیٹے جانا چاہتا ہوں۔ لیکن منزل مقصود کا پتہ نہیں اور کل کی خبر نہیں ابھی تک زمانہ اس قابل

نہیں ہوا کہ میں اس کی زندگی محفوظ سمجھوں جی تو یہی چاہتا ہے کہ اس کی بقا اور استقلال کی کوئی فکر ہو جاتی۔ بعض احباب لمیٹڈ کمپنی یا ٹرسٹ قائم کرنے کی رائے دیتے ہیں۔ ٹرسٹ کے لیے ذاتی سرمائے کی ضرورت ہے کمپنی کے لیے احباب کو تکلیف دینا لازمی ہے اور یہاں دونوں کی کمی ہے آپ ہی بتائیے کیا کرنا چاہیے آیا یوں ہی بیٹھا رہوں اور اس دفتر بے معنی کو غرق ہو جانے کے خیال سے پریشان ہونا چھوڑ دوں۔۔۔۔"

۸ر جنوری ۱۹۳۶ء کو کانپور سے ایک اور خط میں پروفیسر سنت پرشاد مدہوش کو لکھتے ہیں۔ یہ خط بھی زمانہ کے ہی سلسلے میں ہے ملاحظہ فرمائیے۔

میں جانتا ہوں کہ نئے احباب پر جو خود عدیم الفرصت ہیں زیادہ بار ڈالنے کا حق نہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ کام کرنے والوں ہی سے کام کی امید کی جاتی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ کہ اعزازی حیثیت سے کوئی کب تک اور کہاں تک جان کھپائے لیکن زمانہ کا کام شروع سے اب تک اسی طرح ہوا ہے کہ جب یہ سراسر نقصان میں تھا تب بھی یہ جاری رہا اور اب جب کم سے کم مجموعی حیثیت سے کارخانہ اپنے معمولی مصارف برداشت کر رہا ہے تب بھی احباب بلا خیال ذاتی نفع اسکی امداد کرتے رہیں گے مجھے ان پر اس قسم کا بار ڈالنے کا صرف یہی حق ہے کہ میں نے خود پرچے کو اپنی جائداد کبھی نہیں سمجھا اور نہ اس سے مالی نفع کی امید لگائی اس کے پچھلے حسابات سے متعلق جو قرضہ تھا وہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں جس طرح ہوا ادا کر دیا گیا ہے اب رواں حسابات کے علاوہ اور کوئی زیر باری

باقی نہیں ہے ....."

بحیثیت اڈیٹر منشی جی ہمیشہ اس بات کے لیے کوشاں رہتے تھے کہ ہر اچھا لکھنے والا زمانہ کی بزم میں شامل ہو چنانچہ جب کسی رسالے یا اخبار میں کسی اچھے مقالہ نگار کی کوئی تحریر ان کی نظر سے گذرتی تو فوراً اس سے خط کے ذریعہ رابطہ قائم کرتے ان کے دل میں یہ خیال کبھی نہ آتا کہ وہ ایک بڑے رسالہ کے اڈیٹر ہیں انھیں کیا پڑی ہے کہ وہ دوسروں سے مضامین کی فرمائش کریں۔

تمکین کاظمی اچھا لکھنے والوں میں تھے لیکن ابھی تک انھوں نے زمانہ کے لیے نہیں لکھا تھا۔ منشی جی کی نگاہ جب رسالوں میں ان کے مضامین کی طرف پڑی تو انھوں نے فوراً ایک عریضہ سپرد قلم کیا جس میں انھوں نے زمانہ کی طرف سے غافل رہنے کی ان سے شکایت کی خط کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

> اکثر رسائل میں آپ کی متعدد دلکش مضامین نظر سے گذرتے ہیں۔ لیکن زمانہ جو بلحاظ قدامت آپ کی قلمی اعانت کا زیادہ مستحق ہے آپ کے رشحاتِ فکر یہ سے محروم ہے۔ لہذا بذریعہ عریضہ ہٰذا آپ کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے امیدوار ہوں کہ کوئی علمی مضمون، یا دلکش افسانہ مرحمت فرماکر ممنون کیجیے۔

منشی جی مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے جب کسی دوست یا شناسا کی طرف سے بے توجہی کا کوئی معاملہ وہ دیکھتے تو اس پر ایک لطیف اور خوبصورت قسم کا طنز کرتے اور ان کے طنز و تعریض کے حامل جملوں میں اتنی اثر آفرینی ہوتی کہ ان کا مخاطب پانی پانی ہوجاتا منشی جی کا طنز نفرت کی آلائش سے پاک ہوتا تھا وہ محبت اور خلوص کا

پیغام اپنے ساتھ رکھتے ہیں لہٰذا ان کی ہر بات اس نیتجہ کیمیا کی حامل ہوا کرتی تھی۔ یہاں ان کے ایک طنزیہ خط کو پیش کیا جارہا ہے یہ خط اردو کے استاد اور قادر الکلام شاعر جناب ثاقب کانپوری کے نام ہے حضرت ثاقب خانقاہ شریف حضرت دادا میاں بیگم گنج کانپور سے متعلق تھے اسی رشتے سے ان کے یہاں لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی چنانچہ ایک موقع پر مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ان کے یہاں تشریف لائے اس خاص موقع پر حضرت ثاقب نے احباب کو مدعو کیا پتہ نہیں کس طرح وہ منشی دیانرائن نگم صاحب کو بھول گئے منشی جی کو یہ بات ناگوار گذری اپنی ناگواری طبع کو وہ جناب ثاقب پر واضح کرنے کے لیے قلم سنبھالتے ہیں اور اس طرح رقمطراز ہوتے ہیں۔

آپ سید زادے ہیں اور میں آپ کا حلقہ بگوش آپ کا نہیں آپ کے بزرگوں کا۔ کاشی کے ساتھ کعبہ بھی میرا ہے اب میں لکھوں تو کیا لکھوں ڈاکٹر ذاکر حسین آئے اور آپ نے مجھے ہی نہ بلایا۔ اچھا شکایت پھر کروں گا۔ پہلے نظیری کا ایک شعر سناتا ہوں ؎

دیدہ ام دفتر ہیجان وفا حرف بہ حرف
نام خوباں ہمہ ثبت است ہمیں نام تو نیست

کیسے اب بھی شکایت کی ضرورت ہے آپ خانقاہ میں رہتے ہیں اور خانقاہوں کے دروازے فقیروں پر بند نہیں ہوتے شاید اب رسم و رہ خانقاہ ہی بدل گئی ہو اگر ایسا ہے تو مجھے اطلاع دیجئے۔ ممنون ہوں گا۔

عمر کے اخیر دنوں میں منشی جی مسلسل کئی حادثات[1] کا شکار ہوئے۔

---

[1] بیوی اور ایک بچی کا انتقال

اس سے ان کی مرنجان مرنج طبیعت میں اداسی و اضمحلال کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ۲۰ جون ۱۹۴۰ء کو اپنے دوست سلیم جعفر کو اپنی طبیعت کے اس رنگ سے روشناس کراتے ہوئے وہ انھیں یوں لکھتے ہیں۔

آپ کی یاد اکثر آتی ہے مجھے ندامت ہے کہ آپ کے ایک عنایت نامہ کا جواب مجھ پر باقی ہے لیکن پچھلے سال کے واقعات نے مجھ کو بالکل بیکار کر دیا ہے طبیعت ابھی تک اکھڑی سی رہتی ہے خط و کتابت میں بھی سستی ہو گئی ہے اور کام کی قوت بھی سلب ہو گئی ہے۔

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

منشی دیا نرائن نگم کے خطوط سے اس قدر اقتباسات اور مثالیں پیش کرنے کا مقصد ان کے خطوط کی ہمہ رنگی اور گوناگوں صفات کا احاطہ کرنا ہے ان کے خطوط کو پڑھتے ہوئے سب سے پہلے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ان کے خطوط ان کی شخصیت کی پوری عکاسی کرتے ہیں اپنے خطوط کو انھوں نے مانگے کے اجالے سے روشن و تابناک نہیں کیا ہے بلکہ اپنے اسلوبِ نگارش اور طرزِ فکر کا پورا پورا سہارا لیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے خطوط کی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ میں ایسی اثر آفرینی پوشیدہ ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن اس سے حد درجہ متاثر ہوتا ہے در اصل ان کے خطوط کی انفرادی شان یہ ہے کہ ان میں سادگی کے ساتھ بلا کی پرکاری ہے وہ اپنی بات کو سادگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے جذبات کی ترجمانی میں کامیاب ہوئے ہیں اس لیے قاری کو ایک خاص قسم کا ذہنی حظ نصیب ہوتا ہے جب وہ خوشی و مسرت کے کسی لمحے کی اپنے خط میں عکاسی کرتے ہیں تو قاری ان کے ساتھ پورے ذہن کے ساتھ ان کی خوشی میں شریک ہوتا ہے اسی طرح جب

وہ کسی الم انگیز واقعہ کا اظہار کرتے ہیں تو ایسے موقع پر بھی قاری ان کے غم میں برابر کا شریک ہوتا ہے ایسا محض اس لیے ہے کہ اظہار خیال پر انھیں پوری قدرت حاصل ہے۔

منشی دیا نرائن نگم کے خطوط افکار و عقائد، اخلاقی و سیرت و تنقیدات و مباحث ادبی و سیاسی نکات، دانائی و حکمت، حکمت عملی و اعتدال فکر وغیرہ جیسے جواہر ریزوں کا بیش قیمت خزانہ ہیں ان خطوط کو پڑھ کر ایک مخصوص وقت کے نظریات و رجحانات کا پتہ چلتا ہے علم و ادب کے شیدائیوں کے لیے یہ خطوط اپنے اندر بڑی جاذبیت رکھتے ہیں۔

منشی دیا نرائن نگم کے خطوط کی ایک دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ بہر صورت خطوط ہی رہتے ہیں انھیں کہیں سے بھی آپ پڑھیے شروع یا آخر یا پھر درمیان سے ہر جگہ اور ہر مقام سے یہ خطوط ہی لگتے ہیں۔ بعضوں کے یہاں یہ خوبی مفقود ہے۔ مثال کے طور پر مولانا ابو الکلام آزاد کے ان خطوط کو لیجئے جو ان کے خطوط کے مجموعہ غبار خاطر میں شامل ہیں ان خطوط میں خطوط کی کیفیت کم اور مقالے کی کیفیت اور خو بو زیادہ ہے اگرچہ مولانا کے ان خطوط میں محیر القول فصاحت و بلاغت اور علمی و ادبی طمطراق پوری آن بان اور شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے لیکن ان میں خطوط کی شان نہیں ہے اسے میں ان کے خطوط کی خامی تصور کرتا ہوں۔ منشی دیا نرائن نگم کے خطوط بہر حال خطوط کے ہی زمرے میں آتے ہیں اس بات کا اندازہ ان کے خطوط کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

عین اختتام پر جناب برج نرائن نگم صاحب کے ذکر خیر سے اپنے ذہن کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔ موصوف منشی دیا نرائن نگم کے صاحبزادے ہیں باپ کی ساری خوبیوں سے متصف ہیں اس بات کو میں بڑی شرم اور ندامت کے ساتھ قارئین کرام کے گوش گزار کر رہا ہوں کہ کتاب کو منظر عام پر لانے کی ساری ذمہ داری انھوں نے اپنے سر لے لی ہے اگر وہ اسکی طباعت

کا ذمہ نہ لیتے تو شاید یہ خطوط کا مجموعہ گوشۂ اہمال میں پڑا رہتا۔ یہ کام اردو کے ان اداروں کا تھا جو اردو خدمت کا شور مچاتے رہتے ہیں۔ منشی دیا نرائن نگم کی خدمات کے اعتراف میں کسی طرح کی سرد مہری ان کی روح کی قاتل ہو گی۔ کیا ہم اس قدر نااہل ہو گئے ہیں؟ اس کا جواب اردو زبان کے ذمہ دار لوگ ہی دیں تو اچھا ہے۔

مکاتیب

بنام مولانا احسن مارہروی

کانپور

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

عنایت فرما بندہ تسلیم

نوازش نامہ باعثِ مشکوری ہوا۔ تصویر کی نسبت معترضین کا اعتراض ہے کہ اسکا بیک گراؤنڈ قلعۂ معلی ہے جو اس وقت موجود نہ تھا اور خاندان کے آخری دور کی عمارتوں میں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ تصویر اکبر اعظم کی نہیں بلکہ اکبر ثانی[1] کی ہے۔ مروجہ تصویروں سے اس کی شباہت بھی مختلف ہے۔ اس میں چہرہ کسی قدر لمبا ہے، عام تصویروں میں بالکل گول ہے۔ چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمودار ہیں۔ اکبر بڑھاپے میں سلطانِ عالم پناہ سے مہابلی ہو گئے تھے اور داڑھی کا بالکل صفایا کر دیا تھا۔ ذاتی طور پر مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ مگر یہ باتیں بھی قابل لحاظ ہیں۔ میں ایک نورتن کا گروپ چھپوانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاس ہو یا کہیں سے دستیاب ہو سکے تو ضرور عنایت فرمائیں۔ بلاک بننے کے بعد میں احتیاط کے ساتھ اصل تصویروں کی واپسی کا ذمہ لیتا ہوں۔

مجھے یہ سنکر نہایت خوشی ہوئی کہ امسال انجمن ترقی اردو کے آپ سکریٹری[2] منتخب ہوئے ہیں۔ اس انتخاب پر آپ کو دل سے مبارکباد دیتا ہوں۔ انجمن ترقی اردو نے ابتک کوئی کارِ نمایاں انجام نہیں دیا ہے۔ خدا کرے آپ کے زمانہ میں یہ ایک مردہ انجمن کی حالت میں نہ رہے۔ زمانہ میں علمی خبروں کا ایک مفید سلسلہ شائع ہوتا رہا ہے اور اب بھی بالکل بند نہیں ہو گیا ہے کیا یہ مناسب نہیں کہ اس سلسلہ کا ایک حصہ انجمن ترقی اردو کے لئے وقف ہے جس میں آپ سکریٹری انجمن ترقی اردو کی حیثیت سے لکھتے رہیں۔

---

[1] اکبر ثانی کا دورِ حکمرانی سنہ ۱۸۰۶-۳۷ء ہے۔

[2] سنہ ۱۹۰۶ء میں مولانا احسن مارہروی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری مقرر کئے گئے تھے۔

اس طرح "زمانہ" انجمن ترقی اردو کا ایک باقاعدہ آرگن ہوجائیگا جس کی خریداری ممبران انجمن کے لئے ضروری ہونی چاہیے۔ محض اس مسئلہ کی علاحدہ کاپیاں بھی شائع ہوتی ہیں۔ انجمن کا ایک باقاعدہ رسالہ جس میں اسکے متعلق کل ضروری امور کارروائی سے پبلک کو اطلاع ملتی رہے ہونا ضروری ہے۔ میں "زمانہ" کے لئے خواہ مخواہ اصرار نہیں کرتا ہوں مگر ضرور چاہتا ہوں کہ انجمن موصوف ایک کارگذار انجمن ہوجائے۔ مضامین خاص کیلئے پیشتر سے تکلیف دے رہا ہوں۔

راجہ کنور لال اشکی کی سوانح عمری جنوری کے پرچے میں جا اول ہفتہ فروری میں شائع ہوگا، ہدیۂ ناظرین ہوگی اب مارچ یا اپریل کے رسالے کے لئے کوئی چوٹی کا مضمون عنایت فرمائیے۔ زیادہ نیاز

بندہ دیانرائن نگم

خط (۲)

کانپور: ۱۱ر جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

جناب مخدومی تسلیم عرض! ______ حسب الحکم اورنگ زیب کی وصیت والا مضمون کتابت شدہ رد کردیا گیا۔ مگر اس کے عوض کوئی اور علمی یا تاریخی مضمون مرحمت فرمائیے۔ اشد انتظار ہے۔ امسال رسالہ کو خاص ترقی دینے کا خیال ہے۔ لیکن یہ خیال اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب آپ جیسے علم دوست احباب میری امداد پر آمادہ ہوں۔ مجھے امید ہے کہ رسالہ آپ کی عنایت سے محروم نہیں رہے گا

امید کہ مزاج مبارک بخیر ہوگا۔ نیا سال مبارک۔

بندہ دیانرائن نگم

خط (۳)

کانپور: ۳۱ر جولائی سنہ ۱۹۲۱ء

بندہ نواز تسلیم عرض ______ کارڈ ملا۔ آپ کے ماموں صاحب قبلہ کی وفات حسرت آیات کی خبر سنکر ازحد افسوس ہوا۔ واقعی ایسے بزرگ اب کہاں دیکھنے کو نصیب ہوتے ہیں۔ مگر

مرضیٔ الٰہی میں اب کیا چارہ۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو غریق رحمت کرے اور آپ سب صاحبوں کو اس صدمۂ جانکاہ کے برداشت کی طاقت عطا فرمائے۔

شریک غم ———— بندہ دیا نرائن نگم

خط (۴)

کانپور: ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء

مخدوم و معظم بندہ۔ تسلیم عرض ———— کارڈ گرامی ملا۔ نظم اور خانگی تردّدات میں ایسا مبتلا رہا کہ اطمینان سے خط و کتابت کا موقع ہی نہ ملا۔ آپ کی بزرگی اور ذرہ نوازی سے امیدوار معافی ہوں۔

نظم چونکہ ایک خاص تقریب سے تعلق رکھتی ہے اور آپنے اس کو محبتِ بزرگانہ کو مدِ نظر رکھکر زمانہ کے لئے عنایت فرمایا ہے۔ زمانہ میں جلد شائع ہوگی۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ آئندہ نمبر کے لئے شمس العلماء مولانا حالی مرحوم پر ایک مبسوط مضمون تحریر فرمادیں۔ پانی پت میں ان کی یادگار میں ایک عظیم الشان جلسہ ہو رہا ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ زمانہ میں آپکے قلم سے ایک محققانہ مضمون شائع کرسکوں۔

امید کہ یہ درخواست قبول ہوکر مجھے شکر گذاری کا موقع بخشا جائیگا۔ یہ عریضہ ہامرہ کے پتے پر بھیج رہا ہوں۔ امید کہ وقتِ مناسب پر پہونچ جائیگا۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط (۵)

کانپور: ۱۸ اگست ۱۹۳۶ء

جناب مخدوم و محترم بندہ، تسلیمات عرض ہے ———— آپ نے باوجود علالتِ طبع کے ۲۹ جولائی کے عریضہ کا جواب باصواب ۹ اگست کو عنایت فرمایا مگر میری بے بسی دیکھئے کہ معمولی صحت قائم ہونیکے باوجود آج پندرہ سولہ دن کے بعد جواب لکھنے بیٹھا ہوں حالانکہ بلا مبالغہ اور تصنع عرض کرتا ہوں کہ قریب قریب روزانہ عریضہ لکھنے کا خیال آتا رہا

آپنے اس علالت کے باوجود زمانہ کے لئے غیر مطبوعہ غزل بھیجکر جو احسان کیا ہے اس کا شکریہ میرے امکان سے باہر ہے۔ یوں تو پوری غزل مرصع ہے۔ مگر غزل سے بھی زیادہ قابلِ قدر یہ خیال ہے کہ آپنے میرے تقاضہ کا خشک جواب دینا گوارا نہ کیا۔ یہ مروت اور وضعداری آجکل نئی پود سے مفقود ہوتی جارہی ہے۔ خداوند کریم عرصۂ دراز تک آپکا سایہ قائم رکھے۔

احباب کی بدولت تضیع اوقات کی جو کیفیت آپنے لکھی ہے اس کا مجھے بھی ذاتی طور پر بخوبی اندازہ ہے۔ روزانہ دن کے کئی گھنٹے اسی طرح بیکار ضائع ہوجاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ احباب کو اپنے ذرا سے کام کے لئے دوسروں کا بیش قیمت وقت ضائع کرنے میں مطلق تکلیف نہیں ہوتی اس پر لطف یہ کہ دو منٹ میں اپنا منشا اور مدعا بیان کرنیکے بجائے گھنٹے آدھ گھنٹے ادھر ادھر کی فضول باتوں میں گذار دیتے ہیں۔ میں بھی بعض اوقات پریشان ہوجاتا ہوں مگر بزرگوں کی رواداری اور رعایت کی مثالیں دیکھنے کے بعد کاروباری حیثیت سے تضیع اوقات ناممکن نہیں ہے۔ لیکن آپ اپنی بزرگی کا خیال کرکے اگر احباب کی ملاقات کا وقت گھنٹے دو گھنٹے پر محدود فرمائیں تو اردو ادب پر احسانِ عظیم ہوگا۔

آپ کی ذات بابرکات سے "زمانہ" کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ محض غزلیات سے سیری نہیں ہوسکتی۔ آجکل تعطیلات کا زمانہ ہے۔ براہِ کرم رسالہ کیلئے دو تین عالمانہ مضامین تحریر فرمائیں عین احسان ہوگا ——

امید کہ مزاجِ مبارک بخیریت ہوگا اور اب شکایات رفع ہوگئی ہونگی۔

بندہ دیانرائن نگم

---

[1] مولانا احسن مارہروی درگاہ برکاتیہ کے سجادہ نشین تھے لہٰذا روحانی فیض کے حصول کیلئے اور ان سے بیعت کی غرض سے بھی دور و نزدیک کے احباب، اعزہ اور دیگر لوگ انکے پاس آتے رہتے تھے۔ حالانکہ مولانا پیری و مریدی کے سلسلے سے کتراتے تھے لیکن لوگ تھے کہ ان کے ارد گرد ہالہ بنائے رہتے تھے۔

بنام مولوی محمد اظہار الحسن

کانپور

۲۶ر جون ۱۹۲۲ء ——— جناب مکرمی۔ تسلیم عرض ———

نوازش نامہ آیا تھا۔ شکریہ قبول فرمایئے اور تاخیر جواب کے لیے معاف فرمایئے میں شوق سے اردو رسالوں کے مضامین کا خلاصہ شائع کروں گا۔ بشرطیکہ ہر ماہ دو صفحات سے زائد مضمون نہ ہو اور ایک تاریخ مقررہ تک مضمون آجائے۔ ساتھ ہی موقع بہ موقع خلاصہ تنقیدی شان بھی لیے ہوئے ہو۔ معاوضے کے متعلق بھی آپ ہی تحریر فرمایئے۔ لیکن اتنا خیال رکھیے گا کہ اس وقت مالی پریشانیوں سے رسالے بھی آزاد نہیں ہیں۔ زمانہ یوں بھی کوئی متمول رسالہ نہیں۔ کتابوں کے ریویو کا بھی کام ہے۔ بہر نوع آپ کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمائیں۔

نیازمند

بندہ دیانرائن نگم

(خط ۲)

کانپور

۲۴ر جولائی ۱۹۳۰ء ——— مکرمی تسلیم ——— نوازش نامہ ملا۔ مُلّا[1] صاحب کی نظم "دوشیزہ کا راز" پر آپنے جو تبصرہ کیا ہے اس کی اشاعت کا موقع رسالہ زمانہ میں تو نہیں نکل سکتا ہے۔ البتہ اگر آپ فرمائیں تو میں اسے اپنے اخبار آزاد[2] میں شائع کرادوں

---

[1] اردو کے کہنہ مشق اور استادانہ درجہ رکھنے والے شاعر آنند نرائن مُلّا "میری حدیث عمر گریزاں" اور "جوئے شیر" جیسے بیش قیمت دواوین کے مصنف۔

[2] ماہنامہ زمانہ کے ایڈیٹوریل اسٹاف کی ادارت میں ہر جمعرات کو زمانہ پریس کانپور سے ۲۲×۱۸ کی بڑی تقطیع پر شائع ہونے والا ہفتہ وار اخبار۔

یا اگر آپ چاہیں تو اسے کسی اور رسالے میں شائع کرا دیں۔ مُلّا صاحب کی نظموں کا میں تہہ دل سے قدر داں ہوں۔ اور اس لیے جہاں تک ممکن ہوتا ہے میں ان کی نظموں کو رسالہ زمانہ کے لیے حاصل کر لیتا ہوں۔ ان کی تنقید کسی اور رسالے میں شائع ہو تو بہتر ہے۔

کیا اچھا ہو اگر آپ زمانہ کے لیے کسی اور علمی، ادبی یا تاریخی مبحث پر قلم اٹھائیں۔

امید ہے کہ مزاج بخیریت ہوگا۔

دیانرائن نگم ایڈیٹر زمانہ

(خط ۳۰)

کان پور

۲۶ فروری ۱۹۴۱ء ـــــــ میرے مکرم تسلیم ـــــــ نوازش نامہ مع مضمون صادر ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا۔ میں ان دنوں حوادث روزگار سے بہت سرگرداں رہا۔ اس لئے اب تک شکریہ تو درکنار رسید بھی نہ دے سکا۔ معاف فرمائیے گا۔ آپ کا مضمون مارچ نمبر میں درج کر رہا ہوں۔ اختصار اور چستی الفاظ کو میں بھی پسند کرتا ہوں۔ علمی حیثیت سے تحریر میں عبارت کی استخواں بندی کا بھی بڑا قائل ہوں۔ لیکن میری قطعی رائے ہے کہ اردو میں اضافت کا رواج کم ہونا چاہیئے۔ دوسرے جمع کا صیغہ بھی فارسی قاعدوں کے ماتحت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال آپ کا مضمون اسی عنوان پر بعض دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ آئندہ بھی حسب فرصت زمانہ کی قلمی امداد کا سلسلہ جاری رکھیئے گا۔ امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

بندہ

دیانرائن نگم

بنام بشیشور پرشاد منور لکھنوی

کانپور

۱۵؍دسمبر ۱۹۲۵ء ــــــــ میرے مکرم تسلیم، کارڈ ملا۔ بحر ترنم[۱] کی اشاعت کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے آپ کہیں سے اور معاملہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں پتر کا[۲] کے چند بھجن آپ اشاعت کے لیے بھیج سکتے ہیں۔ اس وقت بہت زیادہ عدیم الفرصت ہوں

دیا نرائن نگم

خط ۲

کانپور ۳۱؍اگست ۱۹۲۶ء

میرے مکرم منور صاحب تسلیم! نوازش نامہ ملا۔ شکریہ قبول فرمایئے افسوس ہے کہ آپ کی نظم گنگا کہیں کاغذات میں مخلوط ہو گئی۔ بہراہ کرم اس کی نقل بھیج دیجیے عنایت ہوگی۔

ــــــ تشبیہات پسند نہیں تھیں لیکن غائر نظر سے دیکھنے کے بعد آپ کی رائے سے اتفاق ہے تاہم میں نے دو بند زمانہ میں دے دیے ہیں۔ اگست میں

---

[۱] بحر ترنم نام ہے دیتس بندھو کی آر داس مرحوم کی تصنیف ساگر سنگیت[۱] کے منظوم ترجمہ کا منور لکھنوی نے ارند و گھوش کے انگریزی ترجمہ کے ذریعہ ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان اس کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ کئی سال تک زمانہ میں قسطوں میں چھپتا رہا۔ ۱۹۶۳ء میں اسے کتابی شکل میں دہلی سے شائع کیا گیا۔ بنگالی ادب میں ساگر سنگیت کی بڑی اہمیت ہے اور روحانیت کے لحاظ سے اس کا مرتبہ ٹیگور کی گیتانجلی سے کسی طرح کم نہیں

[۲] مہا کوی تلسی داس کے لکھے ہوئے بھجنوں کا مجموعہ۔

یہ بھی درج رہا ہو گی ۵۴ بند والی نظم کو مختصر کر دیجئے اور مجھے آٹھ دس بند کر کے بھیج دیجئے۔ بفضلہ خیریت ہے۔ آپ کی خیر و عافیت مطلوب ہے۔

نیاز مند
دیانرائن نگم

خط ۳

کانپور۔ ۳۱ر اگست ۱۹۲۹ء

میرے مکرم منور صاحب تسلیم عرض! کارڈ آپکا ملا۔ مشکور یاد آوری ہوا۔ یہ آپکے گھر کی علالت کا سلسلہ واقعی افسوسناک ہے۔ ایشور جلد صحت کامل بخشے۔ میں آپکے مضمون کا منتظر ہوں۔ میں نے اُسے دسمبر میں درج کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا مگر آپ نے اب تک صاف کر کے نہیں بھیجا اب براہِ کرم اس کو یوں ہی واپس کر دیجئے۔ صاف کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ آپ بھاشا میں دوہے چوپائیاں لکھدیجئے اور نمبر ڈال دیجئے تاکہ موقع مناسب پر چسپاں کر دی جائیں اگر اس کی بھی فرصت نہ ہو تو اسی طرح مضمون بھیج دیجئے تاکہ میں ہندی اشعار کے ساتھ مضمون چھاپ سکوں۔ نظم دسمبر نمبر میں دے دیا ہے اور کوئی مضمون تیار ہو تو بھیج دیں۔

بندہ دیانرائن نگم

خط ۴

کانپور

۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۹ء —— مائی ڈیر منور صاحب تسلیم —— آپ مجھ سے جس قدر ناخوش ہوں بجا ہے۔ آپ کے کارڈ کو آئے ہوئے مہینہ ہو گیا لیکن آپ کے مبارکباد کا اب تک میں شکریہ ادا نہ کر سکا۔ میری نااہلی کی کیا حد ہے اس پر بھی آپ کے محبت و عنایت کے بھروسے پر خواستگار معافی ہوں۔ اور صرف خواستگار معافی نہیں بلکہ امیدوار معافی ہوں۔

مضمون ... پتر کا اب جلد شائع ہوگا میں اسے پڑھ چکا ہوں۔ معاف کریئے گا آپ نے اسے ایسے ردی کاغذ پر ایسا برا خط لکھا ہے کہ کئی دفعہ پڑھنے کی کوشش کے بعد بھی پڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی ہے یا تو ہندی دوہے اردو عبارت میں بالکل شائع ہی نہ کیجئے یا آپ انھیں ہندی خط میں ہی لکھ لیں ... بھی آپ ملاحظہ کریں تو بہتر ہوگا بشن نرائن[1] جی کی کامیابی پر آپکے مبارکباد کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں آپ لوگوں کو جو خوشی ہوئی اس سے میری مسرت میں اور اضافہ ہوگیا اب وہ لندن میں ہیں اور ۲ سال بعد حاضر ہوکر آپ کے خط کا خود شکریہ ادا کریں گے ندیرِ ادب[2] پر ریویو اس نمبر میں شائع ہو رہا ہے آپ کا کلام میں اخبارات میں شوق سے پڑھتا ہوں امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا

بندہ دیا نرائن نگم

خط ۵

تسلیم عرض   نوازش فرمائے من   ۲ دسمبر ۱۹۳۵ء

مضمون اور نظم ملیں۔ دونوں کا دلی شکریہ قبول فرمائیے مضمون جنوری نمبر میں دے رہا ہوں نظم بھی بہت جلد شائع ہو جائے گی۔ اطمینان رکھئے نظم میں میں نے بعض اشعار نظر انداز کر دیئے ہیں مثلاً تولید کے متعلق دو شعر اور خوراک کے متعلق دو شعر، کئی شعر کچھ بہت اچھے نہیں معلوم ہوئے آئندہ جیسی رائے ہو۔ میرے ایک شاعر دوست کو دیدہ بند" میں اعتراض ہے آپ کی رائے ہو تو "دیدہ بندی" کر دیا جائے یاں کا اعتراض اس ترمیم سے رفع ہو جائے گا۔ امید کہ مزاج بخیریت ہوگا۔ آپکے گھر کی صحت کیواسطے دست بدعا ہوں۔ نئے سال کی مبارکباد بھی اس کارڈ میں دیتا ہوں "خمخانۂ جاوید" مصنفہ منشی رام دہلوی حصہ اول کی بھی مجھے اشد ضرورت ہے کہیں دستیاب ہو تو مطلع فرمایئے۔   نیاز مند دیا نرائن نگم

---

[1] منشی جی صاحب کے دوسرے لڑکے۔ [2] منور لکھنوی کی نظر افروز اردو ترجمہ آزربن رباعیات کا خوبصورت مجموعہ

کانپور ۲۶ اگست ۱۹۳۱ء   خط

میرے مکرم منور صاحب۔ تسلیم عرض! کارڈ گرامی ملا۔ شکرگذار ہوں
آپ کے عزیز صاحب نے میرے آفر کو قبول نہیں کیا۔ مجھے اب بھی ان کی خدمات سے فائدہ
اٹھانے میں عذر نہیں ہے۔ ۲۰ ہو یا پچیس اس کی چنداں کوئی بات نہیں ہے اگر
آدمی محنت اور دیانت داری سے کام کرے تو وہ اپنی گنجائش خود ہی نکال لے گا
ساری بات یہ ہے کہ میں ایسے آدمی سے مطمئن نہیں ہو سکتا جو کام کا خود مادہ نہ رکھتا ہو۔
یا محنت سے منھ چوراتا ہو۔ صرف بتایا ہوا کم سے کم کام کرے اور چلدے۔ اگر کام کیطرف
توجہ ہو اور اشتہارات وغیرہ کے متعلق خط وکتابت میں مستعدی ہو اور وسیع آمدنی کا
خیال مدنظر رکھے تو میں کیا ہر شخص کو ایسے ماتحت کا خیال رکھنا ہوگا۔ بہر حال اگر آپ کو
بھروسہ ہو کہ آپ کے عزیز مستقل مزاجی سے کام کرنے کے لیے تیار ہیں اور اس کا مادہ بھی
رکھتے ہیں تو آپ ان کو شوق سے بھیج دیجئے۔ میں پچیس ہی دے دوں گا۔ انھوں نے
مجھے لکھا ہے کہ وہ ٹائپ بھی جانتے ہیں۔ غالباً ان کی رفتار معمولی طور سے اچھی ہوگی۔ مجھے
بڑی خوشی ہے کہ نواب[1] صاحب نے صدر صاحب کی کچھ خدمت کی۔ اس بارے میں نواب
ممدوح بہت مشہور ہیں۔ اگر صدر صاحب اُن کے پاس تک جاسکیں تو میرا خیال ہے
ان کی کافی عزت افزائی ہوگی۔ اپنے عزیز کے متعلق آپ بھی دریافت کرکے
مجھے جلد ہی اس بارے میں لکھئے گا۔ میں نے ان کو بیس روپے لکھے تھے تو صرف
دو تین ماہ کے لیے بعد میں میں خود بڑھا دیتا۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

بندہ دیا نرائن نگم

---

[1] نواب مزمل اللہ خاں

خط

کانپور
۱۹ ستمبر ۱۹۳۳ء
میرے محب و مکرم ـــــ منور صاحب تسلیم عرض
آپ کا نوازش نامہ ملا۔ مجھے مزمل اللہ خاں صاحب[۱] سے ایسی ہی امید تھی وہ بڑے ہنر پرور رئیس ہیں۔ نظموں کی بابت میری خواہش ہے کہ کسی طرح آپ کی دل شکنی نہ ہو۔ میرے لیے آپ جیسے مہربان کی ناخوشی ہر حال میں بہت شاق ہو گی۔ یہ نظم جو اس مرتبہ آپ نے بھیجی ہے خوب ہے انشا اللہ جلد ہی شائع ہو گی۔ پچھلی نظموں کے متعلق میں پھر غور کر کے لکھوں گا۔ مجھے آپ کی ذات سے یہی امید ہے اور یہ یقین ہے مایوسی نہیں ہو گی کہ آپ ناچیز زمانہ کو ہمیشہ اپنا ہی پرچہ سمجھتے رہیں گے۔ آپ نے اپنے عزیز کو میرا خط دکھایا یہ بہت اچھا کیا وہ شوق سے آئیں اور دو ایک ماہ کام کریں تاکہ انھیں اور مجھے دونوں کو کام کی نوعیت کا اندازہ ہو جائے اس کے بعد جو کچھ انھوں نے طلب فرمایا ہے اس کے دینے میں عذر نہ ہو گا
اور فی الحال میں بیس روپیے حاضر کروں گا۔ اس کو الاؤنس کے طور پر سمجھ لیں میں ۲۲ دسمبر کو آگرہ جاؤں گا۔ اس کے بعد ۳ دن میں واپس ہوں گا اس لیے بہتر ہے ۲۶ تک آجائیں تاکہ ۲۶ سے کام شروع کر سکیں۔ باقی سب خیریت ہے۔ آپ کی خیریت نیک مطلوب زیادہ شوق ملاقات
آپ خود اس طرف کب تک آئیں گے

نیاز مند
دیا نرائن نگم

---

[۱] نواب مزمل اللہ خاں صاحب ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی و کفالت میں پیش پیش رہتے تھے۔

خط

کانپور۔ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر منور صاحب۔ تسلیم۔ آپ کا کارڈ آیا تھا۔ تاخیر جواب کیلیے ایک بار پھر خواستگار معافی ہوں۔ پچھلے ڈھائی ماہ علالت وغیرہ کے چند دورے رہے اس لیئے پرچوں کی اشاعت میں پھر فرق پڑ گیا لیکن اب اس کی تلافی ہو رہی ہے۔ نومبر نمبر ایک ہفتہ میں شائع ہوگا اور دسمبر کا نمبر چھپنے کو بھیج دیا گیا ہے۔ میرے متعلق آپ کی بدگمانی بیجا ہے۔ آج سے نہیں بلکہ سالہا سال سے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ آپکے والد[1] بزرگوار اور چچا[2] مرحوم سے مجھے دلی عقیدت تھی۔ آپ کے چھوٹے[3] بھائی میرے پاس کام کر چکے ہیں۔ آپ نے بھی محبت کا ہر موقع پر اظہار کیا ہے۔ پچھلی دفعہ میں نے دہلی میں آپ ہی کی وجہ سے اور برق صاحب کے خیال سے قیام کیا تھا۔ تمام دن آپ جس محبت سے میرے ساتھ رہے اور رات میں مجھے چھوڑنے اسٹیشن پر بھی آئے یہ باتیں دل پر نقش ہو گئی ہیں آسانی سے بھولنے والی نہیں ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہاں کام کی اتنی کثرت ہے کہ بیان سے باہر۔ آپ اپنے برادر عزیز سے جو یہاں رہ چکے ہیں تصدیق کر سکتے ہیں جب سے آزاد نکلا ہے اس کی وجہ سے کوئی وقت خالی نہیں بچتا اور زمانہ کو زندہ رکھنے کے لیے آزاد کی اشاعت ضروری ہے۔ دہلی سے واپس آنے کے بعد بارہا آپ کو مفصل خط لکھنے کو جی چاہا لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاید میں آپ کی تکلیف فرمائی کا ضابطے سے شکریہ ادا نہیں کر سکا۔ برق صاحب کے عزیز بھانجوں کا بھی خیال آتا ہے انھوں نے بڑی محبت سے شام کا کھانا ہم لوگوں کو کھلایا۔ وقت تنگ تھا مگر اُن کی وجہ سے تھوڑی دیر لطف صحبت رہا۔ آپنے تو خیر بیحد زحمت اٹھائی تھی۔ جی چاہتا ہے

۱؎ منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی۔ انتقال ۱۲ ستمبر ۱۹۱۳ء۔

۲؎ منشی رام سہائے تمنا لکھنوی۔ نادر الشعرا کا ادبی خطاب حاصل تھا۔ ان کے دوسرے چچا کا نام منشی ماتا پرشاد نہال تھا۔ یہ بھی خوش فکر شاعر تھے۔

۳؎ منشی رام شنکر پرشاد۔

کہ پھر کوئی موقع ملاقات کا ہو۔

مضامین میں دیر ضرور ہوئی لیکن صدر صاحب کے مضمون کو نومبر نمبر میں درج کر لیا گیا ہے آپ کے اشعار اور نظم عنقریب درج ہو جائیں گے۔ میں نے چند شعر دسمبر میں دے دیے ہیں۔ میں نے آئندہ سے یہ گنجائش نکالی ہے کہ مضامین کے خاتمہ پر جو جگہ بچ رہتی ہے اس میں متفرق اشعار چھوٹی چھوٹی نظمیں اور رباعیات دے دیا کروں گا اس سے حجم بڑھائے بغیر کافی گنجائش نکل آئے گی۔ بہر حال آپ اس خیال کو ہمیشہ کے لیے نکال دیجئے کہ خدانخواستہ میرے دل میں کسی قسم کی کشیدگی ہے۔ مجھ سے فرحت صاحب نے ذکر کیا تھا اور مجھے ان سے آپکی بدگمانی سنکر بہت ہی افسوس ہوا تھا۔ اس تعطیل میں لکھنؤ آنے کا ارادہ تو نہیں ہے اگر آنا ہو تو چند گھنٹوں کے لیے کانپور ضرور آئیے گا لیکن تاریخ اور وقت سے مجھے پہلے اطلاع دے دیجئے گا۔ کلام نظر کے متعلق مجھے آپ سے چند امور پر بات چیت کرنا ہے۔ یہ کام بھی عرصہ سے پڑا ہوا ہے اب ہو جانا چاہئے۔ کیا آپ کے علم میں دہلی میں کوئی لائق جوان قابل شادی ہے؟ مجھے ایک لڑکے کی ضرورت ہے اگر آپ کی نگاہ میں کوئی لڑکا ہو تو مطلع فرمائیے گا۔ زمانہ کو اپنا ہی پرچہ تصور فرمائیں اور نظم و نثر جو کچھ بھی آپ اس کے لائق تصور فرمائیں بلا تکلف بھیج دیں۔ برق صاحب کی نثریں اور نظمیں بھجوا دیجئے میں آپ احباب کا بندۂ محبت ہوں اور کسی بدگمانی کا مستحق نہیں ہوں۔ امید کہ آپ مع اہل و عیال بخیریت ہوں گے۔

بندہ

دیا نرائن نگم

۹
خط

کانپور

۸ رجنوری ۱۹۳۵ء ـــــ مائی ڈیر منور صاحب ـــــ نوازش نامہ کا شکریہ آپ کی مجھے دل سے قدر ہے اور میں اس بات سے بہت خوش ہوں کہ میری طرف سے آپ کے دل میں کوئی غلط فہمی باقی نہیں ہے۔ صدر صاحب کے مضمون میں جو غلطیاں رہ گئی ہیں اس کا بہت افسوس ہے اب اس کا غلط نام دسمبر میں دے دیا گیا ہے مگر اس سے پوری تلافی کیسے ہو سکتی ہے۔ رواں صاحب[۱] کے مضمون ضائع ہونے کا بہت افسوس ہے۔ یہ وقت کی خبر تھی اگر آپ اسے زمانہ میں بھیجتے تو یقیناً اس کی اشاعت مقدم ہوتی۔ اب زمانہ میں ایک مفصل مضمون نکل چکا ہے۔ ملاحظہ سے گذرا ہوگا اس مضمون کے بعد اگر آپ سمجھیں کہ زمانہ میں آپکا مضمون چھپنا چاہیے تو اسے بلا تکلف بھیج دیں میں اسے نہایت شوق سے با تصویر چھاپنے کو تیار ہوں۔ غیر ضروری طوالت کی ضرورت نہیں ہے مگر بیجا اختصار سے بھی کام نہیں لینا چاہیے رسالہ مطلوبہ آج ہی ڈاک سے بھیجا جا رہا ہے اور کوئی کارِ خدمت؟ ایشور نیا سال آپ اور اہل و عیال کو مبارک کرے۔

نیاز مند

دیا نرائن نگم

---

[۱] جگت موہن لال رواں ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۱۹۳۴ء میں انتقال کیا "رباعیاتِ رواں" ان کی رباعیات کا مجموعہ ہے گوتم بدھ کی سوانح حیات بھی منظوم کی ہے۔

خط

غالباً دسمبر ۱۹۳۵ء
پتہ درج نہیں

میرے عنایت فرما منور صاحب تسلیم۔ آپ سے واقعی شرمندہ ہوں۔ آپ کے دونوں عنایت نامے پہونچے۔ رواں صاحب کا مضمون بھی ملا۔ لیکن میں اظہار شکرگزاری سے قاصر رہا۔ حسب دستور آپکی عنایت و محبت پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس تاخیر کیلئے خواستگار معافی ہوں۔ مضمون میرے پاس محفوظ ہے لیکن حال ہی میں رواں مرحوم کے متعلق کئی مضامین شائع ہوچکے ہیں اس لیے یہ مضمون کچھ وقفہ کے بعد ہدیۂ ناظرین ہوگا۔ میں یہ سنکر نہایت خوش ہوا کہ شریمد بھاگوت گیتا کا ترجمہ مکمل ہوگیا اور دلّی و لکھنؤ کے شعراء نے اسے پسند فرمایا۔ یقیناً آپ اپنے نامور والد کے صحیح جانشین اور اپنی ذات سے اپنے خاندان کی بہترین علمی روایات کو قائم کئے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر بھگوان داس[1] کا اس ترجمہ کے لیے مقدمہ لکھنا ایک امتیاز خاص ہے جس کے لیے آپ ہر طرح سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ میں نے ان دونوں خوشخبریوں کا اس ماہ کے علمی خبروں میں ذکر کردیا ہے۔ ترجمہ کی اشاعت کا اگر دلی میں بندوبست ہوجائے تو بہت خوب۔ پروف وغیرہ دیکھنے میں بھی آپ کو خاصی سہولت ہوگی اگر یہ ممکن نہ ہو تو لاہور میں میسرز کپور چند یا گلاب سنگھ یا مطبع نولکشور، لالہ رام نرائن بک سیلرز الہ آباد، انڈین پریس الہ آباد سے رجوع کیجیے۔ یا بو مکٹ بہاری لال اپنے پبلشنگ ہاؤس سے شائع کرسکیں تو بہتر ہے۔ یقیناً ان میں سے کوئی نہ کوئی مطبع اشاعت کیلئے تیار ہوجائے گا۔ اشتہار وغیرہ کے لیے زمانہ اور آزاد ہر وقت حاضر ہیں۔

آپ کوئی مختصر مگر مکمل ٹکڑا زمانہ میں شائع کرانا چاہیں تو بے تکلف بھیج دیں۔ کلام نظر[2] کی

---

[1] مشہور ادیب و فلاسفر۔

[2] نوبت رائے نظر کے کلام کی ترتیب کا کام ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی طرف سے منشی دیا نرائن نگم نے انجام دیا تھا مگر بعض وجوہ کی بنا پر وہ مرتب شدہ مسودہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا اور اسی درمیان منشی جی کا انتقال ہوگیا۔ منشی جی کے بعد بعض حضرات نے اسے مرتب کرکے شائع کرنا چاہا لیکن بات نہ بنی تو آخرکار شیام موہن لال جگر بریلوی نے اس عہد کے رسائل سے ڈھونڈھ کر کلام نظر کی ترتیب دی اور شائع کیا۔

ترتیب آپ کی امداد سے آسانی سے ہو سکتی ہے۔ ورنہ میری عدیم الفرصتی سے کام التویت میں پڑا رہے گا۔ آپنے دیوالی میں کانپور آنے کا وعدہ کیا تھا اور میں ملاقات کا منتظر تھا لیکن سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اب دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے۔

امید کہ مزاج بخیریت ہوگا۔

بندہ دیانرائن نگم

خط

کانپور ۷ رمارچ ۱۹۳۶ء

میرے مکرم تسلیم! کارڈ گرامی ملا۔ مطلع انوار[1] کی کاپی بھی ملی اور چھپی ہوئی تصویر کی ایک فرد بھی مل گئی۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی نیا اور تازہ فوٹو مل سکے تو بہتر ہے۔ اس تصویر کا بلاک تو موجود ہوگا۔ بھجوا دیجئے گا۔ کیوں خواہ مخواہ نیا بلاک بنوایا جائے۔ اگر بلاک نہ مل سکے تو مطلع فرمائیں تاکہ نیا بلاک بنوا لیا جائے۔

برق نمبر کی تجویز سوچ رہا ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ اس سال دو خاص نمبر نکالنے کا خیال ہے۔ نظام جوبلی کے موقع پر اور آئندہ تاجپوشی کے وقت۔ زمانہ کے خاص نمبر جب کبھی نکلتے ہیں تو معمولی اہتمام سے نکلتے ہیں۔ حالی نمبر بڑا نہیں نکلا لیکن آپنے دیکھا ہوگا اس کا کوئی اعلان نہیں نکلا اور نہ ابھی تک کوئی نوٹ اس کے متعلق رسالہ میں شائع ہوا۔ میری رائے میں بہتر ہوگا اگر ایک رسالہ یادگار برق کے نام سے شائع ہو میں اس کا اہتمام اپنے ذمہ لوں گا لیکن احباب کم از کم پانچ سو رسالوں کی خریداری کی ذمہ داری لیں۔ بارہ آنے قیمت رکھی جائے اور حجم سوا سو صفحات رکھا جائے اس میں زمانہ کے شائع شدہ مضامین بھی لے لیے جائیں۔ مارچ میں آپ کا اور طالب صاحب کا مضمون شائع ہو رہا ہے۔ اس کے متعلق احباب سے مشورہ کر کے رائے سے مطلع کریں۔ گیتا کی اشاعت کس مرحلے میں ہے۔ امید کہ مزاج بخیریت ہوگا۔

ہولی مبارک ہو

نیازمند

دیانرائن نگم

---

[1] مہاراج بہادر برق کی نظموں کا مجموعہ۔

خط (۱۴)

کانپور ۱۸ اپریل ۱۹۳۶ء

میرے مکرم منور صاحب تسلیم! نوازش نامہ ملا۔ برق صاحب کا
غم ایسا نہیں ہے جو آسانی سے فراموش ہو سکے آپ جلسے میں تقریر کریں تو میری طرف سے
بھی اظہار غم کر دیں۔ مجھے اس سانحہ کا بہت زیادہ قلق ہے۔ میں زمانہ میں جلد سے جلد
ایک مضمون دیتا لیکن اس وقت فروری کا شمارہ نصف کے قریب مطبع میں جا چکا ہے
آپ مضمون بھیج دیں تو میں اسے فوراً لکھوا کر درج کرا دوں دیگر مضامین بھی شوق سے درج
ہوں گے لیکن پورا نمبر وقف کرنا مشکل ہے۔ البتہ جس قدر غیر مطبوعہ کلام خصوصاً نظمیں روانہ
کریں وہ سب کی سب زمانہ میں مسلسل شائع کرنے کو تیار ہوں اور ان کے ساتھ تین چار
مضامین جو احباب لکھ سکیں آسانی سے شائع ہو جائیں گے۔ تصویر اگر کوئی تازہ فراہم کر سکیں
تو ضرور عنایت فرمائیں۔ آپ کی ناسازیٔ طبع کا حال سنکر تردد لاحق ہے۔ گیتا کا اشتہار
بہت جلد شائع کروں گا۔ اپنی تندرستی کا خیال رکھیئے۔ اور کھانے وغیرہ میں ہلکی غذا کو
ترجیح دیجئے۔

نیازمند
دیا نرائن نگم

خط (۱۵)

کانپور ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء

عنایت فرمائم تسلیم عرض! آپکا خط مع مضمون ملا۔ اس یاد آوری
اور توجہ فرمائی کے لیے شکر گذار ہوں۔ مضمون پڑھ کر جلد شائع کرنے کی کوشش کروں گا
آپ اپنے والد گرامی پر جو مضمون لکھ رہے ہیں اس کو بھی مکمل ہونے پر زمانہ کے لیے بھیج دیجئے
گا۔ چھپ جائے گا۔ میں افق صاحب کا فوٹو بھی اس کے ساتھ شائع کروں گا۔ شرط یہ ہے
کہ آپ کوئی صاف فوٹو عنایت فرمائیں۔ مشاعرہ کا مختصر انتخاب بھیج دیجئے گا۔ نظر صاحب
کا جو مجموعہ مجھے ملا ہے وہ بہت پرانا ہے آخری مسودہ ڈپٹی من موہن دیال صاحب کے
پاس تھا مگر ان کے پاس سے گم ہو گیا ہے۔ کاپی کے چند صفحات مجھے ملے ہیں مگر ان میں

اور میرے والے مجموعے میں بہت فرق ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جائے۔ ایک کام اس وقت ہاتھ میں ہے۔ فراغت ملی تو اس کی طرف متوجہ ہو سکوں گا۔ واقعی تاخیر بہت ہو گئی۔ امید کہ مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔ اور اہل و عیال بھی خیریت سے ہوں گے۔ ایک ماہ کے واسطے باہر جانیوالا ہوں۔ باقی سب حالات بدستور ہیں۔

بندہ دیانرائن نگم

خط ۱۴

رادھا بھون

سولن (شملہ ہل)

۲۹ر جون ۱۹۳۶ء ——— مائی ڈیر منور صاحب تسلیم ——— شروع ماہ میں شملہ آیا ہوا تھا۔ ۲۳ر جون سے سولن میں ہوں۔ اب کل ۳۰ر جون کو براہ دہلی کانپور کی طرف جا رہا ہوں۔ ۳۰ر جون کی شب کو کالکا سے روانہ ہو کر یکم جولائی کو صبح ۷ بجے کے قریب دہلی اسٹیشن پہونچوں گا۔ وہاں ۹ بج کر ۲۰ منٹ پر چلنے والی پسنجر میں کانپور کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ اگر بارش اجازت دے اور دفتر کی دیر نہ ہو تو ۸ بجے کسی وقت اسٹیشن پر تشریف لائیں تھوڑی دیر تک لطف ملاقات رہے گا۔ میں سیکنڈ کلاس ویٹنگ روم میں ملوں گا۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

بندہ، دیانرائن نگم

خط ۱۵

کانپور

۱۰ر جولائی ۱۹۳۶ء ——— میرے مکرم منور صاحب تسلیم ——— آپ کا نوازش نامہ ملا میری غیر حاضری میں آیا تھا میں ڈھائی مہینے کے لیے باہر گیا تھا۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی آپ کے تعمیل ارشاد میں میں نے قصیدہ کو جون نمبر میں درج

کر دیا ہے انشاء اللہ جلد شائع ہو کر ملاحظہ سے گذرے گا۔ براہ کرم جناب منشی صاحب[۱] قبلہ سے بھی عرض کر دیجیے گا۔ اور اگر ممکن ہو تو ان سے چند مضامین زمانہ کے لیے حاصل کیجئے۔ عنایت ہوگی۔ امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

بندہ دیانرائن نگم

خط ۱۶

کانپور

۳ جولائی ۱۹۳۷ء ـــــ مائی ڈیر منور صاحب ـــ تسلیم عرض۔

جواب میں دیر کے لیے ہر بار معافی مانگنا پڑتی ہے چنانچہ اس دفعہ بھی خواستگار معافی ہوں۔ آپ کی محبت اور مہربانی سے امید کرتا ہوں کہ اس دفعہ بھی معاف کریں گے، آپ کے مبارک باد کا تہہ دل سے شکریہ عرض ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرے احباب میری خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے ہیں۔ دارالملک راماین کا ذکر زمانہ میں کر دیا گیا ہے آپ کے گھر کی علالت سے تشویش ہے۔ براہ کرم صحتِ مزاج سے مطلع فرمائیں۔ امید کہ اسپتال کے علاج سے معقول نفع ہوا ہوگا۔

صدر صاحب[۲] کی کتابیں مجھے نہیں ملیں آپ کا ایک قطعہ تاریخ مجھے ملا تھا میں نے حال میں تیج دلی میں جناب مہر[۳] کا قطعہ تاریخ وفات دیکھا۔ میں نے وفات کی خبر نہیں پڑھی تھی۔ اس لیے اس کو پڑھ کر بے حد افسوس ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ زمانہ میں ایک مفصل مضمون مرحوم کے متعلق شائع ہو کیا آپ خود لکھنے کی

۱؎ منشی لچھمن پرشاد صدر لکھنوی ۲؎ منشی لچھمن پرشاد صدر لکھنوی خیراتی لال شگفتہ شاگرد حضرت نسیم دہلوی کے تلامذہ میں تھے منور لکھنوی کے خسر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ۳؎ سورج نرائن مہر مشہور شاعر اور نقاد تھے۔ کلام مہر حصہ اول اور حصہ دوم طبع ہو چکا ہے۔

تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ یا جناب برقؔ[1] کو رضامند کریں علیٰ نوازش ہوگی۔
امید کہ مزاج بخیریت ہوگا۔ غزلیات شائع ہوگئیں۔

بندہ
دیا نرائن نگم

خط ١٧

کانپور
یکم دسمبر ١٩٣٨ء ——— میرے محب و مکرم ——— تسلیم عرض ——— آپ کا
محبت نامہ ملا۔ کائنات دل کا اشتہار دے دیا ہے۔ آپ نے ناقدری کی جو شکایت
کی اس کو سن کر ایک قسم کا صدمہ ہوا۔ حالانکہ اردو میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے
تاہم امید کہ آئندہ اس کی تلافی ہو جائے گی۔ آپ نے احباب کا ذکر کیا اس طرف
میں بھی اکثر یادِ احباب سے وقت کاٹتا رہتا ہوں۔ اپنی کتاب نہ بھیجیے گا میں خود
کسی موقع پر خرید لوں گا مجھے رامائن، مہابھارت اور ٹاڈ راجستھان ان سب کے
رکھنے کا ارادہ ہے۔ مسٹر راجیشور ناتھ ورما کی جو کیفیت آپ نے لکھی ہے اس سے
ان کی اہلیت اور قابلیت کی طرف سے تو اطمینان ہوتا ہے لیکن ان کی دماغی حالت آپ نے جو لکھی
ہے اس سے مجھے بہت وسوسہ ہوتا ہے کہ شانِ استقلال سے
وہ کام نہ کر سکیں گے۔ اردو میں کیا اس وقت ہندستان میں تمام ادبی خدمات کرنے
والوں کے لیے روپیہ کمانے کے لیے کوئی خاطر خواہ گنجائش نہیں۔ اس لیے
AMBITIOUS آدمیوں کو اس طرف نہ آنا چاہیے۔ ہاں جو لوگ ملک
کی علمی خدمت ہی کو اپنا حاصلِ زندگی بنانا چاہیں ان کو محض نان و نمک پر بھی کام کرنے
سے کلفت نہ ہوگی آپ نے ان کو کیا تنخواہ کہی ہے۔ مجھے کارڈ سے معلوم ہوتا ہے وہ
بلند حوصلہ اور اولوالعزم شخص ہیں اور چونکہ حالات نے ان کی مساعدت نہیں کی

---

[1] مہاراج بہادر برقؔ دہلوی

ہے اس لیے بڑے مشتقہ خاطر اور بد دماغ ہو گئے ہیں۔ بہر حال اگر وہ استقلال کے ساتھ معمولی معاوضے پر کام کرنے پر تیار ہوں تو مجھے موقع دینے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن اتنا ضرور سمجھ لیں کہ اس وقت میں خود طبیعت سے بہت پست ہو گیا ہوں اور فی الحال میری زندہ دلی مفقود ہو گئی ہے۔ میں خود ان کے دماغی توازن کو درست کرنے میں کوئی مدد نہ دے سکوں گا۔ اس وقت ضروری ہے کہ احباب و اعزہ میری مدد کریں اور میرا دل ہاتھ میں لیں میں خود دوسروں کی دلداری کے قابل کم سے کم اس وقت نہیں ہوں۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا

بندہ دیا نرائن نگم

۱۸
خط

۱۹ دسمبر ۱۹۲۸ء میرے مکرم آپ کا محبت نامہ آیا تھا لیکن مجھ کو بھائی کی علالت کے سلسلے میں الہ آباد جانا پڑا جہاں سے بیمار ہو کر واپس آیا تھا اور کئی روز تک صاحب فراش رہا اس سے جواب خط میں اس قدر تاخیر ہوئی چونکہ مدہوش صاحب اور بعض دیگر احباب دسمبر میں تشریف آوری سے معذور ہیں۔ اس لئے سوچتا ہوں کہ آئندہ ایسٹر میں پرائیویٹ کانفرنس منعقد کی جائے۔ اس ماہ دہلی میں اردو کانفرنس ہونے والی ہے اس کا رنگ بھی دیکھ لیجئے میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو جو اردو اپنا چکے ہیں ایک رنگ خاص اختیار کر کے اردو کی خدمت کرنا چاہیے اس وقت انجمن اردو کی تحریک فرقہ وارانہ ہو چکی ہے ہم لوگوں کو ان کی غلامانہ تقلید کی ضرورت نہیں اس لیے میری خواہش ہے کہ خاص خاص ہندو ادیب یکجا ہو کر اپنے لیے ایک نیا میدان عمل منتخب کر کے ایک خاص پالیسی طے کریں۔

سنت سنگھ نے رامائن بھیج دی ہے اور میں اس کے متعدد اجزا پڑھ

چکا ہوں۔ زبان کی روانی بہت ہی قابل داد ہے لیکن ترجمے کے متعلق مجھے شک ہے کہ کہاں تک آپ نے اصل سے نقل کیا ہے ——— اس کتاب کے بعد آپ کی دیا بھارت اور جناب افق صاحبؒ قبلہ کی بھاگوت اور ٹاڈ ور راجستھان دیکھنے کا بہت شوق ہے میں نے سنت سنگھ صاحب کو لکھ دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اس کتاب کا ریویو یا اشتہار زمانہ میں نکال دیا جائے۔

راجیشور ناتھ ورما بریلوی نے آپ کو کیا جواب دیا ہے آدمی تو کام کے معلوم ہوتے ہیں لیکن آپ نے بیماری سے دماغی توازن قائم نہ رہنے کا جو حال لکھا ہے اس سے البتہ مجھے ایک طرح کی بے اعتباری سی ہو گئی ہے۔ بہر حال اگر وہ معمولی معاوضہ پر کچھ دنوں کام کر کے دیکھیں تو مجھے موقع دینے میں کچھ عذر نہیں ہے۔ میں حتی الوسع یہی چاہتا ہوں کہ کوئی ہندو کائستھ صاحب میرے بار کو بٹا لیں۔ آپ ان کو لکھیے اور کم سے کم جو تنخواہ قبول کرتے ہیں اس سے مطلع فرمایئے۔ میں اپنی طرف سے حتی الوسع کوئی بات قابل شکایت نہیں کروں گا۔ لیکن اس وقت میری دماغی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ دوسروں کو میرا دل ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ دماغی حیثیت سے کچھ دنوں تک تو میں ضرور بیچارہ برداری کے قابل نہیں رہا ۔ میں تمام تعلقات ایمانداری اور اعتماد باہمی پر قائم رکھنا چاہتا ہوں آج کل کیا راجیشور ناتھ صاحب جھانسی میں ہی مقیم ہیں کم سے کم کا بچورتو نہیں آتے۔ بلاک اور ریویو عنقریب دسمبر نمبر میں شائع ہو گا۔

امید کہ آپ اور بچے سب خیریت سے ہوں گے۔

نیاز مند . دیا نرائن نگم

---

[1] منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی پورن چندر ذرہ لکھنوی کے بڑے صاحبزادے مستند ناظم و ناشر اور مترجم تھے ترجمے میں نقش اول کی شان پیدا کر دیا کرتے تھے رامائن منظوم رام ناٹک کرشن سداماں۔ آئینہ قواعد، مرقع خیالی، مرقع اخلاق اور قواعد خوشخطی کے مصنف بھی ہیں۔

خط ۱۹

کانپور

۲۷ جولائی ۱۹۳۹ء ——— مکرمی تسلیم ——— آپ کا کارڈ مورخہ ۱۲ جولائی ملا۔ میں ۱۳ جولائی کو مسوری سے واپس آ گیا ہوں، لیکن لڑکی کی علالت کی وجہ سے بہت متفکر ہوں۔ مجھے یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ کائناتِ دل[1] کی چھپائی قریب ختم ہے نظر صاحب کا بلاک باوجود تلاش کے دفتر میں نہیں ملا مجھے خود اس کے گم ہو جانے کا افسوس ہے جہاں تک مجھ کو یاد پڑتا ہے میں نے اس کو کسی صاحب کے مانگنے نہیں دیا ہے اس وقت نظر صاحب کا اصل فوٹو بھی نہیں ہے۔ نہیں تو آپ کے لیے نیا بلاک بنا کر بھیج دیتا۔ لیکن اگر آپ پسند کریں تو تصویر سے بلاک بنا کر بھیجا جا سکتا ہے لیکن غالباً دہلی میں کانپور سے اچھا بلاک بن سکے گا۔ بہرحال آپ جیسا تجویز کریں مطلع فرمائیں۔ اس وقت کارڈ بہت عجلت کے ساتھ لکھ رہا ہوں جس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا

نیاز مند دیا نرائن نگم

خط ۲۰

کانپور

۱۳ ستمبر ۱۹۳۹ء ——— میرے محب و مکرم ——— آپ کا محبت بھرا کارڈ ملا ان واقعات سے دل کی جو کیفیت ہوئی ہے عرض نہیں کر سکتا لیکن پرماتما کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں۔ بقول آپ کے "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" امید کہ آپ کے گھر میں اب صحتِ کامل ہو گئی ہوگی۔ آپ کا مجموعہ[2] جیسے ہی آئے گا اس کا ریویو ہو جائے گا۔

نیاز مند دیا نرائن نگم

---

[1] کائناتِ دل

خط ۲۱

کانپور

۱۳ر نومبر ۱۹۳۹ء ——— منور صاحب تسلیم ——— اس ماہ کے پرچے میں کائنات دل[1] پر ریویو نکل رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ آپ کا بلاک فوٹو بھی دے دیا جائے۔ اس لیے گذارش ہے کہ اپنی تصویر کا بلاک جو کائنات دل میں شائع ہوا ہے۔ بواپسی رجسٹرڈ پارسل ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ نومبر میں جس میں آپ کے مجموعہ کا ریویو ہوگا آپ کی تصویر سے مزین ہو۔ امید کہ آپ خیریت سے پہونچ گئے ہوں گے۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط ۲۲

از دفتر زمانہ کانپور

۲۷ر نومبر ۱۹۳۹ء ——— میرے محب مکرم ——— نوازش نامہ معہ بلاک پہونچا اس عنایت اور توجہ کے لیے میرا دلی شکریہ قبول کیجیے۔ آپ اتنے مختصر وقت کے لیے تشریف لاتے ہیں کہ کسی طرح سیری نہیں ہوتی۔ جی یہی چاہتا ہے کہ کبھی دو ایک روز کے قیام کا موقع ملے۔ میرا یہ خیال ہو رہا ہے کہ کسی موقع پر چند خاص ہندو ادیبوں کی ایک پرائیویٹ کانفرنس کی جائے جس میں آزاد اور زمانہ کی ترقی کی اسکیموں کے علاوہ دیگر ادبی مشاغل کی توسیع و ترقی پر غور کیا جائے۔ اگر یہ خیال پورا ہونے کی نوبت آئی تو آپ کو بھی تکلیف دوں گا۔ بلاک[2] اور ریویو دسمبر نمبر میں شائع ہوگا۔ سردار سنت سنگھ صاحب[3] نے نہ کتاب[4] بھیجی نہ کوئی جواب دیا۔ بلاک خالی ہونے پر احتیاط سے واپس ہوگا۔ والدہ صاحبہ کی خدمت میں نمسکار، بچوں کو دعا

نیازمند دیا نرائن نگم

۱؎ منور لکھنوی کی نظموں اور رباعیات وغیرہ کا مجموعہ ۲؎ منشی لچھمن پرشاد لکھنوی کا بلاک ۳؎ میسرز سنت سنگھ اینڈ سنز کے مالک ۴؎ منور لکھنوی کا ترجمہ والمیکی رامائن

خط ۲۳

کانپور

۱۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء ——— مکرمی منور صاحب۔ تسلیم میں ایک کارڈ لکھ چکا ہوں، براہ کرم مضمون جلد از جلد ارسال فرمائیں، ورنہ میں جنوری کا نمبر میں درج نہ کر سکوں گا چاہتا ہوں کہ اس نمبر میں شائع ہو جائے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا رجسٹری کی رسید وصول ہو چکی ہے۔

شکریہ

دیا نرائن نگم

خط ۲۴

کلکتہ ۱ر مارچ ۱۹۴۰ء

میرے محب و مکرم منور صاحب۔ تسلیم! آپ کا محبت نامہ مع نوید شادی کانپور سے ہوتا ہوا مجھے یہاں کلکتہ میں ملا۔ بحیثیت برادر عزیز رائے بہادر رام سرن جی بسلسلہ علالت یہاں کے مشہور ماہر امراض قلب ڈاکٹر ستیش بوس کے زیر علاج ہیں چنانچہ آجکل میں ۲۳ر فروری سے ان کے ہمراہ ہوں اور ابھی ہفتہ عشرہ تک یہاں قیام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے دلی افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ آپکے برادرزادہ رگھوبیر پرشاد جی کے بیاہ پر شریک نہ ہو سکا۔ آپنے اس مبارک تقریب میں مجھے یاد فرمایا اس کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کا نوید رسمی نہیں ہے بلکہ آپنے ہر شبہہ اور پر بہت محبت سے یاد کیا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس بہانے دو تین دن کے لیے یہاں سے دلی آتا اور اسی بہانے اپنی طبیعت کو لطف ملاقات سے بہلاتا لیکن مجبور و معذور ہوں جس کام کے آپ خواستگار ہیں رسالہ قومی ہوں بلاک کیلئے کانپور لکھ رہا ہوں دیر ہو تو براہ راست منیجر زمانہ کو ہدایت کر دیجئے کہ

وہ براہِ راست لاہور بھیجدیں۔ زیبا[۱] صاحب کو اگر وقتاً فوقتاً دماغی شکایت ہوجاتی ہے تو ان کا میرے پاس آنا بیکار ہے کیونکہ میں بھروسے کا آدمی چاہتا ہوں جس کی صحت خود اچھی نہ ہوگی اس پر دوسرا شخص کیسے بھروسہ کر سکتا ہے۔ نسیم عرفاں[۲] کا حساب کان پور پہونچکر بھجوا دوں گا اور جو رقم واجب ادائیگی ہوگی اس کو بھی بھجوا دوں گا۔

بہت بہت شکریہ۔ شادی میں عدم شرکت کے لیے دوبارہ عذر خواہ ہوں ایشور کرے یہ تقریب دولہا دلہن اور دونوں خاندان کے افراد کے لیے مبارک ہو۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط ۲۵

غالباً ستمبر ۱۹۴۰ء ——— مکرمی تسلیم ۔ عنایت نامہ مع غزلیات وصول ہوا۔ شکر گذار ہوں۔ دونوں غزلیں حتی الامکان شائع کی جائیں گی۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ آپ سے ملاقات نہ ہوسکنے کا افسوس ہے۔ دیوالی میں آئیے گا تو ضرور ایک گھنٹہ تکلیف کیجئے گا۔ نظر صاحب[۳] کا کلام اکیڈمی سے چھپ رہا ہے آپ کے دائرہ مسوڑھوں کا درد ابھی تک موجود ہے مجھ تشویش ہے مفصل حالات سے مطلع فرمائیے۔

نیاز مند دیا نرائن نگم

---

[۱] راجیشور ناتھ زیبا بریلوی۔ لاہور میں ان کا مکان کسی زمانہ میں دانشکدہ بنا ہوا تھا۔ گلدستہ اور ریق تعلیم کے اسسٹنٹ اڈیٹر بھی تھے [۲] بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ۔ منور لکھنوی نے یہ ترجمہ گلزار نسیم کی بحر میں کیا ہے

[۳] نوبت رائے نظر مشہور شاعر اور ادیب ۱۹۰۹ء میں زمانہ کے سب اڈیٹر مقرر ہوئے کچھ دنوں تک ہفتہ وار اخبار آزاد کی بھی نگرانی کی برسوں اودھ اخبار لکھنؤ کے بھی اڈیٹر رہے۔ ۱۹۱۰ء میں الہ آباد سے شائع ہونے والے رسالہ ادیب کی بھی ادارتی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۹۲۳ء میں انتقال کیا۔

خط ۲۶

کانپور

۱۸ نومبر ۱۹۴۷ء ـــــــــــ میرے مکرم تسلیم ـــ آپ کا نوازش نامہ موصول ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا۔ دیوالی کی مبارک باد لکھ کر آپ نے اس تہوار میں اپنی یاد تازہ کرا دی۔ اس یاد آوری کا مزید شکریہ۔ صدر صاحب کا مضمون محفوظ ہے غالباً اگلے سال شائع ہوگا۔ نظر صاحب[۱] کا کلام مرتب ہو چکا ہے۔ صرف بعض جگہ چند باتیں دریافت طلب ہیں۔ یہ ہندستانی اکیڈمی کی ملکیت ہے وہی اسے شائع کرے گی۔ مجھے اس کی نقل دینے کا اختیار نہیں ہے۔ اکیڈمی کے لوگوں کو یہ بات بری لگ سکتی ہے۔ البتہ خدنگ نظر[۲] کی پچھلی جلدوں سے آپ غزلیں چھانٹ سکتے ہیں خدنگ نظر کا منظوم حصہ میرے پاس تھا مگر عرصہ سے گم ہے اور اگر کہیں پورا سٹ ملے تو خرید لوں۔ زمانہ کے پرچے آپ کے پاس ہوں گے۔ پوری فائل تو میرے پاس بھی نہیں ہے آپ کی ایک غزل جو زمانہ میں شائع ہوئی اسے بسمل صاحب[۳] مطبوعہ بتلاتے ہیں شاید تاخیر کی وجہ سے آپ نے اسے کسی اور پرچے میں بھیج دیا۔

میرے ایک عزیز کو حکیم نابینا صاحب[۴] کے مشورے کی ضرورت ہے۔ براہ کرم لکھیے کہ آج کل وہ دہلی میں ہیں یا نہیں اور اس وقت کہاں مطب کرتے ہیں۔ کوئی فیس لیتے ہیں کیا؟ میرے ایک عزیز کو بخت رنگ کے مخمل کی ضرورت ہے دو گز، دہلی میں اگر دستیاب ہو تو مطلع فرمائیں۔ میں قیمت بھیج دوں عین عنایت ہوگی۔

بندہ دیا نرائن نگم

---

[۱] نوبت رائے نظر حرف ناتمام اور کرشن درپن وغیرہ تصانیف کے مصنف۔

[۲] منشی نوبت رائے نظر کا مشہور زمانہ ادبی و تحقیقی رسالہ لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا

[۳] رائے چندر نرائن بسمل۔ [۴] دہلی کے مشہور حکیم نابینا تھے۔ لیکن مرض کی تشخیص میں اپنی مثال آپ تھے۔

خط ۲۷

کانپور ۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۰ء

میرے مکرم تسلیم! نوازش نامہ ملا، شکرگزار ہوں مخمل وغیرہ کے نمونے بھیجنے کی آپ نے جو تکلیف فرمائی ہے اس کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں حکیم نابینا صاحب کے متعلق مزید معلومات کی ضرورت ہے ۔ دہلی میں کب تک آنے کی امید ہے باہری مریضوں سے دوا کے علاوہ فیس بھی لیتے ہیں اگر کوئی شخص ان کا مشورہ لے اور دوا نہ کرے تو کیا یہ ممکن ہے یعنی اگر کسی مریض کے متعلق انھیں تشخیص کی تکلیف دیجائے تو کیا ان سے دوا لینا بھی ضروری ہوگا؟ ان کے مطب کے مقررہ اوقات ہوتے ہیں؟ لوگ ان سے باسانی مل سکتے ہیں یا کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے؟

براہِ کرم ان سوالات کے جواب اگر ضرورت ہو تو تحقیق کے بعد حسب فرصت مرحمت فرمائیے گا ۔ مخمل کے متعلق میں نے عزیزی کشن نرائن جج فتح گڑھ کو لکھدیا ہے کہ جس قدر ضرورت ہو آپ کو تکلیف دیکر منگا لیں ۔ اگر مجھے لکھیں گے تو میں خود ہی تکلیف دوں گا سہیل صاحب واپسی کے وقت کانپور ٹھہرے تھے ۔ جوان صالح معلوم ہوتے ہیں اور نیک بخت آدمی ہیں ان کا مضمون زمانہ اکتوبر میں چھپ چکا ہے ۔ اسکی اشاعت میں کافی دیر ہوئی ۔ بعض اوقات مضامین کافی دیر تک رکھے رہتے ہیں اس کا مجھے افسوس ہے دیر ہونے کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ زمانہ کا حجم محدود ہے ۔ اردو کی بے بضاعتی کا کہاں تک رونا رویا جائے جس قدر خطیر رقم میں رسالہ پر ڈبو چکا ہوں اس کے بعد مزید نقصانات کے خوف سے اسکی ضخامت وغیرہ میں زیادہ اولوالعزمی کو زیادہ دخل نہیں دے رہا ہوں ۔ گذشتہ نقصانات کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا ہے دوسرے باوجود اس کے کہ اسٹاف کی کمی سے بہت سی باتیں قابل گرفت رہ جاتی ہیں تاہم امر واقعہ یہ ہے کہ زمانہ کا ہر مضمون بہت کچھ سوچ سمجھ کر شائع کیا جاتا ہے ۔ اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی قسم کے بہت سے مضامین آجاتے ہیں ایسی صورت میں یہ ممکن نہیں ہوتا کہ سب مضامین ایک ہی ساتھ یا یکے بعد دیگر شائع کر دئے جائیں بلکہ ان میں کافی

وقفہ دینا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی خاص مضمون کسی خاص موقع کے لیے رکھ لیا جاتا ہے۔ قتیل و غالب[1] کے مضمون کو حیرت انگیز قرار دیا ہے براہ عنایت اس کے متعلق اپنی رائے مزید تفصیل اور صفائی سے لکھیے۔ عنقریب ہی کسی نمبر میں دے دوں گا۔

کتابوں کی ایجنسیوں کا عجب حال ہے بہت کم ایمانداری سے کام کرتی ہیں میرے خیال سے آپ کو چند معتبر اور مستند بک ایجنسیوں سے معاملہ رکھنا چاہیئے۔ اور زیادہ تر لوگوں کو نقد قیمت پر دیا کیجیے خواہ ۲۵ یا ۳۰ فیصد کمیشن دینا پڑے۔ اس سے یہ تو ہوگا کہ لاگت کے دام مل جائیں گے۔

اثر صاحب[2] نے مجھ سے اردو سماج کا ذکر کیا تھا۔ آپ سے مزید حال معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ میں بھی عرصہ سے ایک خاص رنگ کے مصنفین و مترجمین کی ایک سائٹی قائم کرنے کے خیال میں ہوں مگر کثرتِ کار اور ذاتی حالات نے اب تک اجازت نہیں دی۔ دوسرے کانپور میں واقعی کام کرنیوالوں کی کمی ہے۔ تجارتی شہر ہے علمی چرچا ندارد ہے اور کام کے آدمی بہت کم ہیں لیکن خیال دماغ میں برابر موجود ہے آپ نے شروعات کی بہت خوب ہوا مگر مجھے اردو سماج نام کچھ زیادہ پسند نہیں آیا۔ اس سے تو اردو سبھا کہیں اچھا ہے اور ایک مرتبہ شیخ عبدالقادر صاحب[3] نے اردو سبھا کے نام سے ایک انجمن قائم بھی کی تھی، یا کرنا چاہی تھی۔ کیوں نہ آپ اسی نام کو اپنا لیں اگر آپ پسند کریں تو کسی مقام پر (دہلی یا لکھنؤ) ایک مختصر سا جلسہ کر لیا جائے جس میں اس کے طریقہ کار کے متعلق عملی تجویز سوچی جائے میری رائے میں اس وقت دو

---

[1] سید اسد علی صاحب انوری کی مشہور تصنیف مکتبہ جامعہ نے سنہ ۱۹۴۰ء میں شائع کیا تھا اس میں غالب کی جگہ کمزوریوں اور خامیوں کا اظہار کیا ہے اور غالب نے قتیل کشی کا جو راستہ اپنایا تھا اسے طشت ازبام کیا ہے

[2] مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی

[3] اڈیٹر مخزن لاہور۔

باتوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

۱۔ ایک تو اردو کو ہندوستانی کلچر کے مطابق بنایا جائے۔

۲۔ دوسرے عوام کے لیے کتابیں شائع کی جائیں۔

آپ اور دیگر احباب ان باتوں کے متعلق کوئی عملی کام شروع کریں تو میرا دلی تعاون ہوگا۔ میرے خیال سے ہم لوگ ہزار دو ہزار کا سرمایہ جمع کرلیں اور کتابیں شائع کرنا شروع کردیں۔ سب سے بہتر یہی طریقہ ہے ہر کتاب ایک ایک خاص رنگ کی ہو۔ مگر سب کی زبان یکساں طور پر سلیس اور عام فہم رکھی جائے اور جہاں تک ممکن ہو انشاء پردازی کا خیال رکھتے ہوئے ہندوستانی خصوصیات بالتزام قائم رکھی جائیں میں اس انجمن کی تمام کارگذاریاں صرف شاعروں تک محدود رکھنے کے خلاف ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ میری رائے ناقصہ میں اردو میں ضرورت سے کہیں زیادہ شاعر ہیں۔ بہرحال مجھے کسی معتبر تحریک میں اپنی بساط بھر شریک ہونے میں عذر نہیں ہے۔ البتہ انجمن ترقی اردو کی موجودہ روش مجھے ناپسند ہے اور بحالت موجودہ میرا دل اس کی طرف رجوع نہیں ہوتا اس لیے میں آئندہ اردو کانفرنس میں کوئی دلچسپی نہیں لے سکتا۔ کمار سنبھو کا ترجمہ چھپ جائے تو مجھے ضرور دیکھنے کے لیے بھیجیے میرے خیال سے آپ کی انجمن کو ہندی اور سنسکرت کی خاص خاص فقروں کو اردو میں ضرور لانا چاہیے۔ مان سرور میرے پاس نہیں آتا ہے۔ براہ کرم جس پرچہ میں اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے اس کی ایک ایک کاپی میرے پاس بھجوا دیجیے یا اپنا ہی رسالہ بھجوا دیجیے۔ میں دیکھکر واپس کردوں گا

آپ کی کوئی غزل اب میرے پاس یہاں نہیں ہے تاہم تلاش کروں گا مگر یہ ضروری ہے کہ وہ کہیں اور نہ چھپ گئی ہو ورنہ خواہ مخواہ شرمندگی کا موقع ملتا ہے آپ نے اپنے لواحقین کی صحت کا کوئی حال نہ لکھا۔

امید کہ سب خیر و عافیت ہوگی۔ آپ کا مخلص

دیا نرائن نگم

خط ۲۸

کانپور ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء

میرے مکرم تسلیم! آپ کا نوازش نامہ آیا تھا۔ آپکی عنایت ومحبت کا شکریہ۔ حکیم نابینا صاحب کا حال میں نے کشن نرائن جی کو لکھدیا ہے۔ انھیں کو دکھانا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ حیدرآباد سے ایک دوست لکھتے ہیں کہ اب نابینا صاحب وہ نہیں رہے اور پیرانہ سالی کی وجہ سے خود ان کے ہوش و حواس درست نہیں رہتے آپ کو اس بارے میں کچھ معلومات ہوں تو مطلع فرمائیں۔ میں نے اس سلسلے میں آپکو بڑی تکلیف دی لیکن آپ ازراہِ کرم میرے لیے سب باتیں دریافت کرا دیں۔ اس کے لیے بہت شکر گذار ہوں۔

دہلی میں ایک اردو مجلس بھی قائم ہوئی ہے۔ اردو سماج اس کے مدِ مقابل نظر آتی ہے میں اب بھی اردو سبھا کا نام زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بہر حال کام شروع کیجیے میں بھی آپ کی کامیابی کے لیے دست بدعا ہوں۔ اردو کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی میں میں شریک نہیں ہو سکا۔ میرے خیال سے اس طرف دو تین سال سے انجمن ترقی اردو بھی پارٹی پولیٹکس کا شکار ہو گئی ہے اس لیے میرے جیسے خیالات کے آدمی کے لیے اس میں کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے۔ میں نے تیج[1] اور ہماری زبان[2] میں اپنا ذکر دیکھا تھا پہلے تو ایک خط لکھنے کا ارادہ ہوا لیکن پھر خیال نہیں رہا۔ بہر حال آپ صاحبان آئیں گے تو ملاقات کا اچھا موقع ہاتھ آجائے گا مان سرور[3] کا کوئی پرچہ ابھی تک نہیں ملا ہے۔ رباعی درج رسالہ ہو گئی ہے باشعار بھی حسب معمول درج ہوں گے۔ گھر کی علالت سے یک گونہ تشویش پیدا ہو گئی۔ ایشور جلد صحت دے۔ امید کہ سب طرف خیریت ہوگی۔

بندہ دیانرائن نگم

---

[1] ۱۹۲۳ء میں دہلی سے جاری کیا گیا اسکے بانی سوامی شردھانند تھے انکے بعد لالہ دیش بندھو گپتا اسکے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اب یہ اخبار اسی خاندان کی ملکیت میں نکلتا ہے [2] انجمن ترقی اردو کا ترجمان۔

[3] ہندی کا مشہور ماہنامہ۔

خط (۲۹)

۱۰ رجنوری ۱۹۴۱ء

میرے محب و مکرم ۔ منور صاحب تسلیم ۔ نوازش نامہ مورخہ ۴ رجنوری کا شکریہ ۔ اس کے پہلے کا بھی خط مل گیا تھا غالباً اس کا جواب دے چکا ہوں ۔ آپ کے مبارکباد سالِ نو کے لیے تہہِ دل سے شکر گزار ہوں ۔ ایشور یہ سال آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کے لیے مبارک کرے ۔ تنقید آپ نے پسند کی اس سے خوشی ہوئی ۔ اقتباسات بہت دیے جا سکتے تھے لیکن میں زیادہ اقتباسات کا قائل نہیں کیونکہ انکے بعد ناظرین کو پھر اصل کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی ۔ میرا خیال ہے آپ شیخ مبارک علی کو کائناتِ دل کی جلدیں نصف قیمت پر دے دیں ۔ حساب کا جھگڑا فضول ہے ۔

چند مخصوص ہندو ادیبوں کی کانفرنس کا خیال ہے دیکھیے کب تک اسکا موقع ملتا ہے ۔ میں نے کرسمس ہی میں چند احباب کو تکلیف دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن اکثر تعطیل کا پروگرام پہلے بنا چکے تھے ۔ اب ایسٹر کا خیال ہے لیکن طبیعت رہ رہ کر بجھ جاتی ہے مجھے یہ کہتے ہوئے ندامت ہوتی ہے لیکن پچھلے حادثات نے دل برداشتہ کر دیا ہے اور ابھی تک واقعی مزاج معمول پر نہیں آیا ہے ۔

رائے زادہ شانتی نرائن عمر میں شاید مجھ سے بھی زیادہ ہیں ان کی تجربہ کاری اور لیاقت میں کوئی کلام نہیں لیکن اصل ضرورت یہ ہے کہ زمانہ اور آزاد دونوں کا معیار قائم رکھتے ہوئے کام کیا جائے اس کے متعلق جب تک تجربہ نہ ہو میں کچھ عرض نہیں کر سکتا ۔ روزانہ کا پروگرام بنا لینا تو بہت آسان ہے لیکن کافی سرمایہ جمع کر لینے سے پہلے روزانہ اخبار جاری کرنے کا خیال عبث ہے ۔ موہن سنگھ صاحب[۲] کی علالت کا

---

[۱] پنڈت امرناتھ ساحر پنڈت دینا ناتھ مجروح کے سگے بھائی تھے ۔ دہلی میں ان کا مکان لال حویلی کے نام سے مشہور تھا ۔ ان کا کلام "کفرِ عشق" کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔ (نوٹ خط ۲۲)

[۲] حیدر موہن سنگھ دیوانہ منور لکھنوی کے بھتیجے تھے ۔

حال سنکر تشویش ہو رہی ہے۔ بڑے کام کا آدمی ہے۔ ذرا اچھے ہو جائیں تو میں انکی اکیڈمی کے بارے میں دریافت کروں۔ سنت سنگھ نے راماین قیمتاً بھیجی اُس کا افسوس ہے۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط ۳۰

کانپور

۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۴۱ء میرے مکرم منور صاحب تسلیم۔ کانپور کا مشاعرہ ۲۷، ۲۸ر اپریل کو ہو رہا ہے۔ مصرع طرح پہونچا ہوگا بلکہ امید کہ آپ ۲۷ر کو ڈاک یا حد سے حد اپر انڈیا میل سے پہونچ جائیں گے۔ منی آرڈر بھیج دیا گیا ہے معلوم نہیں مربع سیب کا وہاں کیا بھاؤ ملتا ہے یہاں گراں ہونے کے علاوہ خراب بھی ملتا ہے۔ اگر زیادہ زحمت نہ ہو تو پانچ سیر سیب کا مربع لیتے آیئے عنایت ہوگی۔ قیمت جو ہوگی حاضر کر دی جائے گی۔ امید کہ مزاج مبارک بخیر ہوگا۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط ۳۱

کانپور

۳۰ر اپریل ۱۹۴۱ء ——— میرے مکرم تسلیم ——— ۲۸ر اپریل کا دن بڑے تردد میں گذرا۔ ۶ بجے شام تک کھانا لیے بیٹھا رہا۔ عزیزی کو دوکان کے مکان کا پتہ معلوم نہ تھا ورنہ وہاں آدمی بھیج کر دریافت کرتا۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ فرحت صاحب[۲] کے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں غرض تمام دن تشویش میں گذرا۔ ٹھاکر صاحب[۳] بھی دوسرے دن صبح واپس آئے۔ خیر آپ صاحبان

---

[۱] دستِ سوال میرا اونچا ہے آسماں سے

[۲] گنگا دھر ناتھ فرحت کانپوری ایم، اے۔ ایل، ایل، بی، پرگو شاعر اور زمانہ کے قلمی معاون۔ [۳] ٹھاکر چندر بھوشن سنگھ منشی دیا نرائن نگم کے مددگار۔

بخیر و عافیت تشریف لے گئے۔ اس سے بہت بڑا اطمینان ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں مزاج کی قیمت نہ دے سکا۔ جوش وغیرہ سے ملنے کے بعد رہپے لیے بیٹھا رہا خود میں نے بھی ایک بجے کے بعد کھانا کھایا۔ حالانکہ آپ کنور گوشٹی جی کے یہاں کھانا کھانے کو کہہ گئے تھے مگر مدہوش[۲] اور ٹھاکر صاحب دہیں کھانے کو تھے اور مجھے یہ بھی خیال تھا کہ شاید وہاں جانے کا موقع نہ ملے اور آپ بھی مدہوش صاحب کے ساتھ تشریف لائیں۔ بہر حال عجیب خلفشار کا عالم رہا۔ شہر میں آمد و رفت کے لیے محفوظ راستے بھی تھے اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ صاحبان فرحت صاحب کے یہاں ہیں تو اسباب بھجوا دیتا۔ اب بتلایئے اس کے بھیجنے کی کیا سبیل اختیار کی جائے۔ میں کل پٹنہ جانے والا ہوں، وہاں سے بنارس ہوتا ہوا واپس آؤں گا، پھر راجپور کا قصد ہے دس یا پندرہ مئی تک واپس آؤں گا۔ امید کہ بچے خیریت سے ہوں گے۔

نیاز مند

دیا نرائن نگم

خط ۳۲

کانپور یکم مئی سنہ ۱۹۳۱ء

میرے مکرم منشی صاحب تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ آیا تھا مجھے واقعی افسوس ہے کہ آپ کی واپسی سے بے اطمینانی سی رہی لیکن یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ اٹاریہ نگر نہ گئے۔ ورنہ شاید وہاں خرید و فروخت ہوتی۔ فرحت صاحب مجھے پیام بھیجا دیتے تو میں

---

[۱] پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی۔ استاد اور قادر الکلام شاعر، ادبی خطاب ابو الفصاحت تھا۔ "بادۂ سر جوش"، اور "جنون و ہوش" کے مصنف۔ انھوں نے غالب کے کلام کی شرح بھی لکھی، جو شرح دیوان غالب کے نام سے مشہور ہے [۲] پروفیسر سنت پرشاد مدہوش۔

سب اسباب ان کے یہاں روانہ کر دیتا اب سب کو جمع کر کے ٹھاکر صاحب کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ انھیں ریل سے روانہ کر دیں اور سب سامان تو مل گیا مگر لوٹا کہیں دستیاب نہیں ہوا اور باقی چیزیں جو درج تھیں سب موجود ہیں۔ تولیا وغیرہ سب بکس میں رکھدیا گیا ہے البتہ لوٹے کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ اس کا افسوس اور ندامت ہے مشاعرہ کمیٹی کو میں نے ۵ روپے کا منی آرڈر آپ کے اور ساحر صاحب کے نام بھیجنے کی ہدایت کر دی ہے امید کہ یہ رقم اگر ابھی تک نہیں پہونچی تو اب پہونچ جائے گی۔

سرمہ کا شکریہ ادا کرنے کا موقع نہیں ملا مگر قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج چکا ہوں اور غالباً بلند اقبال کی دستخطی رسید بھی آگئی ہے۔ آپ کی تکلیف فرمائی کا شکریہ اب ادا کرتا ہوں۔ میرا جگن ناتھ کی شادی کا سہرا اپریل نمبر کے زمانہ میں شائع ہو گیا ہے ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔ میں ۲۲ کو راج پور ضلع دہرہ دون جا رہا ہوں۔ مہینہ سوا مہینہ قیام رہے گا۔ میرے خطوط برابر بھیجتے رہیں گے۔ امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط ۳

کانپور

۱۶ جولائی ۱۹۴۱ء ——— میرے مکرم منور صاحب تسلیم ———

ڈیڑھ ماہ کی غیر حاضری کے بعد جولائی ۱۹۴۱ء کو کانپور واپس آیا اس اثنا میں آپ کا نوید شادی برادر زادی آیا۔ شکر گذار یاد آوری ہوں امید کہ تقریب بہ حسن و خوبی انجام پا گئی ہوگی۔ ایشور دولہا دلہن کی عمر دراز کرے اور شاد کام رکھے۔

میری آنکھیں اس عرصے میں یکایک بہت خراب ہو گئیں جس سے لکھنے پڑھنے کا کام یک لخت بند کرنا پڑا ——— دیکھیے زمانہ اور آزاد کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر کوئی سمجھدار اور محنتی نوجوان جو ایثار کے ساتھ اس کام کا بار اٹھا سکے آپ کی نظر میں ہو تو ضرور لکھیے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیر و عافیت ہو گا۔

اس کارڈ کے لکھنے کے بعد آپ کا نوازش نامہ آیا۔ غزل شائع ہو گئی محروم[1] کی غزل میرے پاس ہے شائق[2] کی غزل کہیں گم ہو گئی۔ دوبارہ منگالیں اور نظر ثانی کر کے میرے پاس بھیج دیں آپ کا حال معلوم کر کے تردد ہوا۔ میری رائے ہیں دو تین ماہ کی رخصت لے کر دہرہ دون ہو آئیے اور مطلق کوئی کام کیجے تین ماہ کا آرام کریئے۔ امید ہے کہ آپ کو پورا فائدہ ہو جائے گا۔ پروفیسر موہن سنگھ صاحب کا خط میرے پاس بھی آیا ہے۔ غالباً بمبئی یا کلکتہ جانا ہو گا۔ اس وقت سب کام معطل ہے

آپ کا خیر خواہ

دیانرائن نگم

خط ۲۲

کانپور۔ ۷ جنوری ۱۹۴۲ء

میرے محب و مکرم منیر صاحب تسلیم عرض ایشور نیا سال آپکو اور آپ کے اہل و عیال کو مبارک کرے۔ آپ کا کارڈ گرامی ملا۔ مگر حرف ناتمام[3] کے متعلق آپ کی شکایت سمجھ میں نہ آئی مجھے یہ سنکر کہ طالب صاحب کی کوشش بار آور ہو رہی ہے، سچی خوشی ہوئی۔ "حرفِ ناتمام" کی اشاعت اور اسکی کامیابی کی خبر سے مزید اطمینان ہوا لیکن میری حوصلہ افزائی

---

[1] منشی تلوک چند محروم اردو کے نامور شاعر تھے "گنج معانی"، "کاروانِ وطن"، "رباعیات محروم"، "شعلۂ نوا"، "بہار طفلی"، "عکس جمیل" وغیرہ کتابوں کے مصنف۔

[2] کیلاش ورما شائق تخلص کرتے تھے۔

[3] برق دہلوی کا تیسرا مجموعہ کلام۔ اسے برق کے شاگرد رشید طالب دہلوی نے ۱۹۴۱ء میں دیانی پرنٹنگ پریس دہلی سے شائع کیا۔

سے مایوسی کا سوال کہاں اور کب پیدا ہوا۔ اس سے میں قطعی بے خبر ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ اہلِ قلم سے مالی امداد کا سوال تو پیدا نہیں ہوتا البتہ ریویو اور اشتہار کی استدعا کی جا سکتی ہے۔ ریویو کی کتاب وصول ہوگئی ہے اور زمانہ میں ریویو شائع ہوگا۔ اگر آپ یا کوئی اور صاحب بصفحہ سوا صفحہ کا ریویو لکھدیں تو میں وہی چھاپ دوں ورنہ خود لکھکر یا کسی سے لکھوا کر ریویو شاملِ رسالہ کر دیا جائے گا۔ کئی سال سے زمانہ بک ایجنسی مضمحل اور معطل حالت میں ہے ایسی صورت میں اگر کتابیں نقد قیمت پر خرید نہیں کی گئیں تو اس میں شکایت کا کون سا موقع ہے۔ جب صاحب میرے یہاں تشریف لائے تھے انھوں نے جب کتاب کو بک ایجنسی بیسر کے ساتھ رکھنے کے متعلق مجھ سے دریافت کیا تو اس وقت اس بات سے واقف ہوئے بغیر کہ کتابیں نقد قیمت پر لی جائیں گی میں نے صاف صاف کہدیا کہ اگر ٹھاکر جنیدر رگھوشن سنگھ اپنی ذمہ داری پر کتاب لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں بعد کو انھوں نے فرمایا کہ کتابیں صرف نقد قیمت پر دی جائیں گی۔ تو میں نے کہا غالباً ٹھاکر صاحب اس صورت میں کتابیں پسند نہ کریں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کاروباری معاملے کے متعلق آپ کو ایسی شدید غلط فہمی کیسے ہوگئی اور آپ کو کس طرح یہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اگر برق صاحب کے کلام کی سکوں میں اتنی بھی قیمت نہیں ہو سکتی تو اسے ملک کی انتہائی بدمذاقی اور اردو مصنفوں اور شاعروں کی بدقسمتی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

میں نہیں جانتا کہ میرے کون سے الفاظ سے حوصلہ شکنی کا اظہار ہوا اور قصور کی نوعیت اور اہمیت معلوم کئے بغیر خواہ مخواہ عذر خواہی میرا شیوہ نہیں ہے مجھے دلی افسوس ہے کہ بعض احباب بے موقع بے موقع موردِ الزام بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ حال ہی میں قادری صاحب ۱؎ کی تازہ تصنیف داستانِ اردو کے متعلق ان کے پبلشر نے نقد قیمت پر کتابیں خرید کر بک ایجنسی میں رکھنے کی تجویز پیش کی تھی۔ مگر میرے منیجر صاحب اس تجویز کو منظور نہ کر سکے قادری صاحب کو اس سے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی کیونکہ یہ بالکل تجارتی معاملہ تھا۔ اگر میرے

۱؎ مولانا حامد حسن قادری سینٹ جانسن کالج آگرہ کے لیکچرار تھے ۱۹۵۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو پاکستان چلے گئے۔

کارکنوں کو روپیہ کمانے کا حوصلہ اور خاص کوشش کرنے کی لیاقت ہوتی تو دس بیس روپے لگا دیتے۔ بصورت موجودہ جب کہ ایجنسی کا کام معطل پڑا ہوا ہے کوئی قدم اٹھا دینا کہاں کا دستور اور کونسی عقلمندی ہے۔ شاید آپ بھول گئے کہ چالیس سال سے زمانہ کی اشاعت مسلسل قائم رکھنے میں مجھ کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیا میں نے ابتک کسی اہل قلم دوست سے اسکے لیے کوئی مالی امداد طلب کی البتہ قلمی امداد کے لیے میں نے اپنے سب احباب قدیم و جدید مرحوم و موجود کا ہمیشہ کے لیے زیر بار احسان ہوں۔ برق صاحب کے کلام کی اشاعت میں زمانہ نے ہمیشہ اپنا فرض منصبی ادا کیا ہے۔ اُن کی تصویر بھی چھاپی ہے انکے بارے میں مضامین بھی نکلے ہیں اور کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ دونوں ہی چھاپا گیا ہے اور انکی قبل از وقت موت[1] کا اب دلی افسوس ہے اس کے سوائے اور کیا بات ممکن تھی جو نہیں کی گئی اور جس کے لیے آپ کو اظہار ناراضگی کرنے کی نوبت آئی۔ جو صاحب خواہ مخواہ تہمت لگانے کی غرض سے آتے ہیں وہ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں اب بہت کچھ معذور و مجبور ہو گیا ہوں۔ خانگی حالات نے میرے قلب پر مستقل اثر چھوڑا ہے اور آنکھوں کی شکایت سے معمول میں بہت کچھ فرق آگیا ہے۔ خطوط وغیرہ لکھنے میں بھی بہت کچھ کمی کرنا پڑتی ہے۔ اسلئے احباب کی خاص عنایت اور رواداری کا مستحق ہوں۔

پچھلے خط کا مجھے خیال نہیں غالباً میں آپ کے ٹھاکر صاحب کو دیکر بھول گیا۔ بہر حال اس کی معافی چاہتا ہوں۔ اطمینان رکھئے کوشش یہی رہتی ہے کہ کسی جواب طلب امر کا جواب باقی نہ رہے اور احباب کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوتی رہے۔ یہ خط ایک عرصہ کے بعد خود اپنے قلم سے لکھ رہا ہوں مگر لکھنے پڑھنے سے جس قدر کمی کی طبی ہدایت کی گئی ہے اسکی وجہ سے دوسروں سے خطوط لکھانے پر مجبور رہا ہوں۔ ادھر بڑے دن کی تعطیل میں لڑکے اور کئی عزیز باہر سے آ گئے ہیں اس لیے بھی خط و کتابت میں حرج ہوا۔ ادھر پچھلے مضامین پر خاص طور سے توجہ کی گئی چنانچہ جناب صدر مرحوم پر آپ کا مضمون کسی قدر اختصار کے ساتھ کتابت کے

---

[1] منشی مہاراج بہادر برق کا انتقال سنہ ۱۹۳۶ء میں ہوا۔

لیے دے دیا گیا ہے۔ میرا ارادہ اسے فروری نمبر میں شائع کرنیکا ہے۔ امید کہ جو اختصار ضروراً کیا گیا ہے آپ کو ناپسند نہ ہوگا۔ بات اصل یہ ہے کہ میں اسے ۶ صفحات کا مضمون بنانا چاہتا ہوں۔ امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔ بفضلہٖ خیریت یہ ہے آپ کی یادآوری اور دعاؤں کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط ۳۵

۱۴ مارچ ۱۹۴۲ء

میرے مکرم تسلیم۔ کانپور سے روانگی سے پیشتر آپ کا عنایت نامہ ملا تھا۔ خواستگار معافی ہوں کہ اس کا فوری شکریہ ادا نہ کرسکا۔ میں دلی میں آپ سے ملے بغیر واپس نہیں آسکتا عرصے سے تمنائے ملاقات ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دلی آؤں اور آپ سے ملاقات نہ کروں۔ آخر آپ کو مجھ سے جو محبت ہے اس سے میں بھی متاثر ہوں بغیر ملے کیسے رہ سکتا ہوں۔ آپ نے قرآن کا جو ترجمہ کیا ہے وہ زبان اور روانی کے لحاظ سے یقینی طور پر آپ اپنی نظیر ہے۔ یقیناً اس کی عام طور سے قدر ہوگی۔ میں نے عبدالماجد[۱] دریابادی کو اس کی بابت خاص طور سے لکھا ہے دہلی سے آکر مفصل باتیں ہوں گی۔ زمانہ میں بھی آپ کے بھیجے ہوئے اجزا شائع ہوں گے اور غزلیں بھی نکلیں گی اپنی جگہ پر دونوں غزلیں خوب ہیں۔ یوم برق کی کامیابی کی خبر بہت خوش کن ہے آپ صاحبان کی کوشش خصوصاً طالب[۲] صاحب کی شاگردانہ عقیدتمندی تعریف اور قدردانی کی مستحق ہے۔ میں کل پندرہ کی صبح کو یا شب کو دہلی پہونچوں گا۔ آجکل ٹرینوں کا

---

[۱] زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

[۲] سنتیش چندر طالب دہلوی جناب برق دہلوی سے شرف تلمذ تھا۔ لکھنؤ میں تماشان جاور طبی بازار میں انکی کوٹھی تھی۔

کچھ ٹھیک نہیں ہے ورنہ میں کل رات ہی آپ سے ملتا۔ اگلے ماہ کی ۱۶ر کو مجھے کچہری
میں حاضری دینا ہے۔ بہرحال ۱۶ر کی شام کو ملوں گا۔ اس دفعہ میں برادرم مسٹر جگت نرائن
نگم جگت نو اسس قرولباغ کے یہاں ٹھہروں گا۔ ۱۷ر کو واپسی کا ارادہ ہے۔ امید ہے
کہ آپ مع جملہ عزیزان خوش و خرم ہوں گے۔

بندہ دیانرائن نگم

بنام سید مسعود حسن رضوی

کانپور

۸ رفروری ۱۹۲۷ء ـــــــ مکرمی زاد لطفکم. تسلیم. یاد آوری کا شکریہ.

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ مستقل طور پر تصنیف و تالیف کو مرکز توجہ بنانا چاہتے ہیں. خدا کرے یہ ارادہ مبارک ثابت ہو اور اس سے خوشگوار علمی و ادبی نتائج مرتب ہوں. البتہ آپ کا یہ فیصلہ ادبی رسائل کے لیے ایک افسوسناک سانحہ ہے کہ اب نہ صرف ایک خوش قسمت رسالہ آپ کے جواہر ریزوں کا واحد حقدار ہو گا. بہرحال زمانہ اردو ادب کا ایک قدیم خادم ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ آپ کو سودا کا یہ شعر سناتا رہے گا ؎

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

شکر ہے کہ اس وقت بھی زمانہ کی گذارش بیکار نہ گئی اور آپ نے ایک مضمون عطا فرمانے کا وعدہ کر لیا ہے. مجھے آپ کی مصروفیات کا اندازہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی امید ہے کہ آپ جلد اپنا وعدہ ایفا فرمائیں گے.

ہندوستانی اکاڈمی کی ممبری مبارک. امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا.

زیادہ تسلیم

آپ کا مخلص

دیا نرائن نگم

ایڈیٹر زمانہ

بنام تمکین کاظمی

کانپور

۱۲ ستمبر ۱۹۲۸ء ——— مکرمی تسلیم۔ اکثر رسائل میں آپکے مفید و دلکش مضامین نظر سے گذرتے ہیں لیکن زمانہ جو لبحاظ قدامت آپ کی قلمی اعانت کا زیادہ مستحق ہے آپکے رشحات فکریہ سے محروم ہے لہذا بذریعہ عریضہ ہذا آپکی توجہ اسطرف منعطف کراتے ہوئے امیدوار ہوں کہ کوئی علمی مضمون یا دلکش افسانہ مرحمت فرماکر ممنون کیجیے۔

دوسرا عریضہ سعیدی[1] صاحب کے نام ہے۔ مجھے ان کا پتہ معلوم نہیں ہے۔ لہذا براہ کرم ان کی خدمت میں پہونچا دیجیے نیز مجھے ان کے پتے سے مطلع کیجیے۔ عنایت ہوگی۔ امید کہ آپ جواب سے جلد مطلع فرمائیں گے۔

نیازمند دیانرائن نگم

---

[1] پورا نام عبدالمنعم سعیدی تھا۔ گلبرگہ شریف کے رہنے والے تھے۔ علی گڑھ میں تعلیم پائی تھی مولانا شرر اور مولانا آزاد کی تحریروں نے ان کے اندر تاریخ سے دلچسپی پیدا کی تھی۔ آسکر وائلڈ کی تصنیف THFIMPORTANCE OF BETNG EARNEST کے ترجمے پر تمکین کاظمی کے نام کے ساتھ ان کا نام بھی موجود ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ ۱۹۲۸ء میں کیا گیا تھا۔

بنام منشی جگدیش پرشاد نگم

زمانہ کانپور

۲۵ اگست ۱۹۳۱ء ——— عزیزم جگو[1]۔ آشیرواد ——— تم شاید مجھ سے ناراض ہو گئے۔ مگر میں آجکل جن بکھیڑوں میں الجھا ہوا ہوں اس کا حال تم نہیں سمجھ سکتے۔ وشواس کرو کہ میں کھانے کا سمے بھی نہیں پاتا۔ کل بنارس سے منشی جی[2] کی بھی چٹھی آئی ہے۔ مادھوری[3] کے لیے بہت تاکید سے مضمون مانگا ہے اور یہ بھی ڈانٹ بلائی ہے اگر اب کی بار میں نے آنا کانی کی تو پھر وہ زمانہ کے لیے بھی لکھنا چھوڑ دیں گے۔ تم نے چندا کی بیماری کے سمبندھ میں لکھا تھا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ یہ میری تاکید ہے کہ جلدی اس کی خیریت کی خبر دو۔ اپنے تبادلے پر پرکاش ڈالنا نہ بھولنا

دعاگو دیانرائن نگم

خط (۲)

زمانہ کانپور۔ ۲؍جنوری ۱۹۳۲ء

عزیزم جگدیش۔ آشیرواد ——— خط ملا۔ میں استھانہ صاحب کو ذاتی طور پر زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ چندر موہن جی سے ان کا یارانہ ہے۔ ان سے کہکر سفارش کرا دوں گا۔ تم کسی طرح کی فکر مت کرنا۔ زمانہ کے لیے تم کیا پوچھتے ہو۔ وہ تو میری زندگی ہے۔ دنیا سے جی اوب گیا ہے مگر اس کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ چندا کو میری دعا کہنا۔ بچوں کو پیار۔

دعاگو دیانرائن

---

[1] منشی جگدیش پرشاد نگم کا گھریلو نام [2] منشی پریم چند [3] منشی پریم چند کی ادارت میں نکلنے والا ہندی کا ماہنامہ۔

بنام سلیم جعفر

کانپور

۴ ستمبر ۱۹۳۱ء ——— میرے کرمفرما تسلیم ——— آپ کے نوازش نامہ اور مضمون کو آئے ہوئے عرصہ ہوا۔ میں حسب عادت پھر اس قدر تاخیر سے آپ کی یادآوری اور کرمفرمائی کا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ مضمون زمانہ اکتوبر میں شائع کر رہا ہوں۔ آج اُسے کاتب کو لکھنے کے لئے حوالہ کر دیا ہے۔ گاندھی جی کا ذکر حاشیہ میں بطور نوٹ کر دیا گیا ہے۔ آپ نے مضمون میں ردوبدل کی شکایت کی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ یہ شکایت کاتبوں کی غلطیوں تک محدود ہے یا کارکنانِ رسالہ کی دخل در معقولات پر بھی حاوی ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جرأت و گستاخی کے ہم لوگ عادی ہو گئے ہیں۔ تلو بطرہ[1] میں جو خامیاں رہ گئی ہیں اسکی ذمہ داری پورے طور پر ہم لوگوں پر عائد ہوتی ہے اور بہ تقاضائے بشریت و بوجہ کثرتِ کار ہم لوگوں سے اس قسم کی صدہا فروگذاشتیں ہوتی رہتی ہیں تاہم دیگر رسالوں کے مقابلے میں زمانہ کے مضامین میں کوششِ بلیغ کی جاتی ہے کہ ناظرین کو کم سے کم موقع ملے۔

مجھے امید ہے کہ ایک تجربہ کار مضمون نگار کی حیثیت سے ایڈیٹوریل حقوق میں تخفیف کا خیال نہ فرمائیں گے۔ آپ کے مضامین رسالہ میں ہمیشہ نہایت قدر و منزلت کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں۔ میں شکرگذار ہوں کہ آپ کے قلمی احسانات کا سلسلہ عرصہ سے قائم ہے اور مجھے آپ کی عنایت اور توجہ سے پوری امید ہے کہ آئندہ بھی مجھکو شکرگذاری کا موقع ملتا رہے گا۔ امید کہ مزاج بخیریت ہوگا۔

بندہ دیانرائن نگم

---

[1] سلمیٰ تصدق کی تالیف جسے ہاشمی بک ڈپو لاہور نے شائع کیا تھا۔

(خط)

کانپور

۲۰ جون ۱۹۴۷ء ——— میرے محب و مکرم تسلیم ——— نوازش نامہ ملا اور تصحیح بھی پہونچی لیکن کسی قدر دیر سے۔ آپکے محکمے کے تبادلے کی خبر معلوم ہوئی۔ یقیناً اس کے معنی ترقی کے ہیں۔ اور اگر ایسا ہے تو مبارکباد قبول فرمائیے۔ آپ کا نام مختصر ہو گیا ہے اس کا حال اخباروں سے معلوم ہوا تھا۔

آپ کی یاد اکثر آتی رہتی ہے۔ مجھے ندامت ہے کہ آپکے ایک عنایت نامہ کا جواب بھی مجھ پر باقی ہے لیکن پچھلے سال کے واقعات[1] نے مجھکو بالکل بیکار کر دیا ہے۔ طبیعت ابھی تک اکھڑی سی رہتی ہے۔ خط و کتابت میں بھی سستی سی ہو گئی ہے۔ اور کام کی قوت بھی سلب ہو گئی ہے

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

آپنے ہندستان کے متعلق مضامین کے سلسلے میں کچھ لکھا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بھی کچھ غلط فہمی ہوئی۔ اسلام اور آریہ سماج کا مضمون بھی شاید ایسا ہی تھا۔ لیکن میں نے زمانہ کے صفحات ہمیشہ ہر سنجیدہ مباحثہ کے لیے کھلے رکھے ہیں شرط صرف یہ ہے کہ خیالات کا اظہار۔ تہذیب، متانت اور جذبات کا لحاظ رکھ کر کیا جائے۔ کیا اچھا ہو اگر آپ اس آخری مضمون کے سلسلے میں کوئی مضمون لکھیں۔ آپکے مضامین کے لیے زمانہ کے صفحات ہمیشہ حاضر ہیں۔ دلی شکریہ مزید براں۔ دراصل میں، آپکے مضامین رسالہ کیلئے فخر و مباہات کا باعث سمجھتا ہوں۔

عرصہ سے آپ کا دورہ نہیں ہوا۔ اشتیاق ملاقات ہے، دیکھیے کب نوبت آتی ہے۔ صاحبزادہ صاحب کا کیا حال ہے۔ امید کہ مزاج مبارک بخیر ہوگا۔

بندہ دیا نرائن نگم

---

[1] بیوی اور بچی کا انتقال

خط (۳)

کانپور

۶ جنوری ۱۹۴۱ء ——— میرے محب مکرم۔ خدا آپ کو عرصۂ دراز تک تندرست و سلامت رکھے اور آپ اسی طرح آئندہ سالہا سال تک زمانہ کے لیے نئے نئے تحفے بھیجتے رہیں۔ جس خلوص و محبت سے آپ میری تمام کوتاہیوں کے باوجود اپنے جواہر پارے زمانہ کو دیتے رہتے ہیں اس پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ صاحبوں کی رفاقت و محبت دیکھکر ایک مرتبہ تو نارسائی قسمت اور عام بے قدری کا گلہ بھی جاتا رہتا ہے۔ پچھلے سال سے طبیعت کچھ عجیب سی ہو گئی ہے بعض اوقات گھنٹوں کھویا سا رہتا ہوں لیکن یہ گھڑیاں بھی احباب کی نیکیوں اور ان کی محبت کی یاد میں کٹ جاتی ہیں عرصہ سے ملاقات کا موقع نہیں ملا آپ کہیں گے کہ یہ کیا بات ہے کہ جب آؤں تو میں ہی آؤں تم کو ایک دفعہ بھی آنیکی توفیق نہ ہو۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب شافی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ زمانہ اور بعض حالات نے پاؤں میں بیڑیاں سی ڈال رکھی ہیں لیکن آپ کو تو با تنخواہ رخصت کا حق حاصل ہے۔ آخر ادھر کئی سال سے آپ نے اس حق کا فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔

مبارکبادیاں تو اور بھی بہت سی آتی ہیں لیکن آپ جس شان سے مبارکباد بھیجتے ہیں اس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ اس سال آپنے میرے حقوق میں جو کمی کی ہے اسکی تلافی آپ کو آئندہ کرنی ہوگی۔ میں جانتا ہوں یہ کمی کسی خاص سبب سے نہیں ہوئی بلکہ غالباً یا تو کوئی خاص مضمون ذہن میں آیا ہی نہیں یا اس کے لکھنے کا موقع نہیں ملا بہر حال اس کا شکریہ اور باقی کا تقاضا قبول فرمائیے۔ خدا یہ سال ہم دونوں کے لیے مبارک کرے۔ احباب اور اعزہ سب کو خوشی اور تندرستی نصیب کرے۔

چھوٹے میاں کا کیا حال ہے۔ آپ مزید ذمہ داریوں کے ساتھ پہلے سے زیادہ عدیم الفرصت ہو گئے ہیں۔ امید کہ خانگی تردّدات میں اضافہ نہ ہوا ہوگا۔ ابھی کتنے دن

ملازمت کا خیال ہے؟ اس کے بعد کا نپور آجایئے تو کیا خوب ہو۔ جیتا جاگتا شہر ہے۔ دل لگے گا، آپ کیوں بددل ہیں؟ خدا کے فضل سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی کہ آپ لکھیں کہ "جس دل پہ ناز تھا ہمیں وہ دل نہیں رہا" میری حالت یہی ہے کہ جو بوجھ سر پر لاد لیا ہے اس کو حتی الوسع سنبھالے رکھنا چاہتا ہوں لیکن دل میں گرمجوشی باقی نہیں ہے اور طبیعت بھی اب سست ہو گئی ہے۔ پھر بھی ہمت ہار کر بیٹھنا نہیں چاہتا اور آخر تک یوں ہی گھسیٹے جانا چاہتا ہوں لیکن منزل مقصود کا پتہ نہیں اور کل کی خبر نہیں۔ ابھی تک زمانہ اس قابل نہیں ہوا کہ میں اسکی زندگی محفوظ سمجھوں۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسکی بقا اور استقلال کی کوئی فکر ہو جاتی۔ بعض احباب لمیٹڈ کمپنی یا ٹرسٹ قائم کرنیکی رائے دیتے ہیں۔ ٹرسٹ کیلئے ذاتی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ کمپنی کے لیے احباب کو تکلیف دینا لازمی ہے اور یہاں دونوں کی کمی ہے۔ آپ ہی بتایئے کیا کرنا چاہیے۔ آیا یوں ہی بیٹھا رہوں اور اس دفتر بے معنی کے غرق ہو جانے کے خیال سے پریشان ہونا چھوڑ دوں۔ آپکی خیر و عافیت مزاج اور سکون خاطر کے لیے دست بدعا ہوں۔ خدا کرے آپ اور جملہ لواحقین خیریت سے ہوں اور خیریت سے رہیں۔

آپ کا شکر گذار

دیانرائن نگم

بنام شاعرِ انقلاب جوشؔ ملیح آبادی

کانپور: ۲۵ اپریل ۱۹۳۴ء

بھائی جوشؔ۔ تسلیم[۱]!

نفس کو تعریف کا عادی بنانا میں نے ہمیشہ جرم سمجھا اور "زمانہ" کو بھی اس معصیت سے بچائے رکھا ہے اس طرح جیسے کوئی اپنی بیٹی کو نگاہِ بد بیں سے بچاتا ہے۔ پرچہ میں شاذ و نادر ہی کبھی آپ نے میرا ذکر یا احباب کی خواہ مخواہ تعریف دیکھی ہوگی۔ ہاں جب کسی کے کمال کی حکومت دل پر قائم ہو جاتی ہے تو مجبوراً و معذوراً دو چار سطریں قلم سے نکل جاتی ہیں مگر ان سطروں کو آپ وہی درجہ دیجئے جو اہلِ حکومت خراج کو دیتے ہیں۔ بعض احباب اس کو طبیعت کا فطری بخل کہتے ہیں۔ بعض اسے تجاہلِ عارفانہ یا غرورِ بے جا کہتے ہیں۔ مگر میں اپنی خصلت سے جو میری جزوِ طبیعت بن گئی ہے، شرمندہ نہیں ہوں۔ اور شاید میری یہ معمولی سی ادا کارسازِ حقیقی کو بھا گئی اور آج اس نے عمر بھر کی کمائی کا حساب آپ کی نظم کی صورت میں بے باق کر دیا ہے۔ شاید میرا انعام (اگر میں اس کا مستحق تھا) اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ اتنا افسوس ہے کہ میں دولتِ دنیا سے محروم ہوں ورنہ آج قارون کا خزانہ بھی ہوتا تو آپ کے محبت بھرے اشعار پر تصدق ہو جاتا۔ خواہ بچے کوستے اور دنیا جو چاہتی کہتی۔ مگر یہ بھی

---

۱ یہ خط حضرت جوشؔ ملیح آبادی کی نظم "نگاہِ خلوص ہیں" جو کہ صفحہ ۸۲ پر درج ہے کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔ یہ نظم جو کہ ۱۹۳۴ء میں زمانہ میں بغرض اشاعت بھیجی گئی تھی مگر چھاپی نہیں گئی تھی۔ یہ نظم و جوابی خط دونوں ہی اول مرتبہ زمانہ مارچ ۱۹۴۳ء میں منشی دیا نرائن نگم کی وفات کے بعد یادگار نمبر میں شائع ہوئے۔

۲ حضرت جوشؔ نے یہ نظم اپنی کتاب آیات و نغمات میں اولاً ۱۹۴۱ء میں خود شائع کی۔

عنایت ایزدی ہے کہ آپ کی محبت کی داد دینے کی جرأت کرنے کا بھی امکان نہیں ہے ورنہ کمالِ فن اور خلوصِ قلب دونوں کو اپنی اپنی جگہ شرمندگی سے منھ چھپانا پڑتا۔

آپ کی نظم سننے کے بعد میری کیا حالت ہوئی، آپ شاید مبالغہ سمجھیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ میرے قلب کی کیفیت ناقابلِ اظہار ہے۔

آپ کے اشعار کا اہل ہونے کے لئے میں ایک نہیں اپنے کئی جنم نثار کرنے کو تیار ہوں۔ کسی انسان کو اس نظم کی تمنا میں سو برس بھی جینا پڑے تو کم ہے۔ دعا کیجیے کہ شاعر کے لافانی اشعار کہیں مجھے مغرور نہ بنا دیں اور کہیں ان سے نفس کی بدی کو تقویت نہ مل جائے۔ زندگی کے چند لمحے جو باقی ہیں اسی قرینے سے کٹ جائیں اور بعد کو اہلِ نظر کو یہ کہنے کا حق نہ رہے کہ جوشؔ جیسے نکتہ رس شاعر کی نگاہِ خلوص بیں دھوکہ کھا گئی۔

میرے لیے یہ اشعار حاصلِ زندگی ہیں۔ خدا کرے آپ کو یا مجھ کو ان کے لئے کم از کم اس جہانِ آب و گِل میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

آپ کا خادم
دیا نرائن نگم

بنام علامہ ثاقب کانپوری

عزیزی ثاقب صاحب ——— آپ سید زادے ہیں اور میں آپکا حلقہ بگوش۔ آپ کا نہیں آپ کے بزرگوںؒ کا کاشی کے ساتھ کعبہ بھی میرا ہے۔ میں اب لکھوں تو کیا لکھوں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین آئے اور آپ نے مجھے ہی نہ بلایا۔ اچھا شکایت پھر کروں گا۔ پہلے آپ کو نظیری کا ایک شعر سناتا ہوں ؎

دیدہ ام دفتر پیچان وفا حرف بہ حرف
نام خوباں ہمہ ثبت است ہمیں نام تو نیست

کہیے اب بھی شکایت کی ضرورت ہے۔ آپ خانقاہ میں رہتے ہیں اور خانقاہوں کے دروازے فقیروں پر بند نہیں ہوتے۔ شاید اب رسم و رہِ خانقاہ ہی بدل گئی ہو۔ اگر ایسا ہے تو مجھے اطلاع دیجئے۔ ممنون ہوں گا۔

دعاگو
دیانرائن نگم

لہ حضرت ثاقب کانپوری خانقاہ شریف حضرت دادامیاں بیگم گنج کے سلسلے سے ہیں ان کے جدِ امجد سید شاہ رضا علی اور سید شاہ قمر اللہؒ اپنے اپنے وقت کے مشہور فقرا میں شمار ہوتے تھے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے شہرت ہی کی بنا پر سید شاہ قمر اللہ کی خدمت میں حاضری دیکر دعائیں حاصل کی تھیں۔ ثاقب کے والد سید شاہ محمد اکبرؒ بھی فقر واستغنا اور دینی حمیت کے امین تھے۔

بنام پروفیسر مدہوش

کانپور

۸ رجنوری ۱۹۳۷ء ـــــ مائی ڈیر مدہوش صاحب۔ تسلیم عرض۔ کرسمس کے پہلے سے آپ کو خط لکھنے کو سوچ رہا ہوں۔ نیا سال بھی شروع ہوگیا ہے لیکن آج سے پہلے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ اس تاخیر کے لیے معافی چاہتا ہوں اور نئے سال کے مبارک ہونے کی دعا مانگتا ہوں۔ آپ اور آپ کے اہل و عیال سب کے لیے یہ سال خیر و برکت کا سال ہو

آپ میری جرأت پر تعجب کر رہے ہوں گے کیونکہ میں نے آپ سے پوچھے بغیر زمانہ کے بار عظیم میں آپ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ بعض باتوں میں میری اور آپ کی حیثیت جداگانہ ہونے پر بھی معلوم نہیں کیوں مگر چند سال کی ملاقات میں ہی اپنے آپ کو آپ کے بہت قریب محسوس کر رہا ہوں۔ مشکل سے سال میں ایک آدھ ملاقات اور تبادلہ خیالات کی نوبت آتی ہے۔ آپ بھی زمانہ پر اپنے ادبی احسانات کا سلسلہ زیادہ وسیع نہ کر سکے تاہم ہفتہ میں دو ایک بار ضرور آپ کا خیال دل میں آتا ہے اس کو آپ کی محبت کی کشش سمجھتا ہوں عموماً میں بھی بہت Demonstrative واقع نہیں ہوا ہوں اسلیے ہر ملاقات کے بعد آپ سے مجھ کو جس قدر قلبی قرب حاصل ہوتا گیا اس کو اس سے پہلے کبھی ظاہر نہ کر سکا لیکن یہ خیال دل میں مضبوطی سے قائم ہو گیا ہے کہ اگر خدانخواستہ زمانہ پر کوئی آفت آئے تو آپ سے اسکو پوری مدد ملے گی اور جہاں تک ممکن ہوگا آپ زمانہ کو میرے بعد بھی جاری رکھنے کی پوری کوشش کریں گے اس لحاظ سے میں نے آپ سے بلا دریافت کیے ہوئے اس مرتبہ زمانہ نومبر میں آپ کو اڈیٹوریل حلقے میں سمیٹ لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ بے تکلفی ناگوار نہ ہوگی اور آپ اس کے متعلق سری صاحب جی مہاراج[1] سے بھی ضروری اجازت لے لیں گے۔ مجھے بھروسہ

[1] سرآنند سوروپ صاحب جی مہاراج رادھا سوامی مت کے پانچویں گرو۔ دیال باغ آگرہ کے بانی اور اس کے سرپرست ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۵۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ہے کہ وہ بھی بخوشی آپکو اجازت دے دیں گے۔ بہر حال میں آپ سے اس سال زمانہ کی مستقل اعانت کی امید رکھتا ہوں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ اس کے لیے ہر ماہ دو چار صفحات کے نوٹ لکھکر ہی بھیجدیا کریں یا تنقید کتب میں امداد دیں یا کبھی کبھی مضامین لکھدیا کریں۔ مجی رگھوپت سہائے صاحب[1] نے بھی مصمم وعدہ کیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ جہاں تک مذہبی نقطۂ نظر کا واسطہ ہے وہ بہت سی باتوں میں آپ سے متضاد ہیں لیکن زمانہ میں آپ اور وہ دونوں یکجا ہو سکتے ہیں۔ زمانہ کا نقطۂ نظر ہمیشہ Rational رہا ہے اور اس کے آئندہ قائم رہنے میں بھی کوئی قباحت نظر نہیں آتی ہے۔ کیا مضامین کی نظر ثانی میں بھی کوئی مدد مل سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے احباب پر جو خود عدیم الفرصت ہیں زیادہ بار ڈالنے کا حق نہیں لیکن یہ بھی سچ ہے کہ کام کرنے والوں ہی سے کام کی امید کی جاتی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ اعزازی حیثیت سے کوئی کب تک اور کہاں تک جان کھپائے۔ لیکن زمانہ کا کام شروع سے اب تک اسی طرح ہوا ہے کہ جب میں سراسر نقصان میں تھا تب بھی یہ جاری رہا اور اب جب کارخانہ مجموعی حیثیت سے اپنے معمولی مصارف برداشت کر رہا ہے تب بھی احباب بلا خیال ذاتی نفع اس کی امداد کرتے رہے ہیں مجھے ان پر اس قسم کا بار ڈالنے کا صرف یہی حق ہے کہ میں نے خود پرچے کو اپنی جائداد کبھی نہیں سمجھا اور نہ اس سے مالی نفع کی امید لگائی۔ اس کے پچھلے حسابات سے متعلق جو قرضہ تھا وہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں جس طرح ہوا ادا کر دیا گیا ہے۔ اب رواں حسابات کے علاوہ اور کوئی ذمہ باری اس پر باقی نہیں ہے۔ اپنی اور بچوں کی خیر و عافیت سے مطلع فرمائیے۔ یہ بھی لکھیے کہ زمانہ کے ایڈیٹوریل بورڈ کے رکن کی حیثیت سے آپ کو اپنے نام کی اشاعت اور شمولیت میں کوئی عذر تو نہیں ہے۔

آپ کا خیر طلب — بندہ دیانرائن نگم

---

[1] رگھوپت سہائے فراق گورکھپوری "شعلہ ساز"، رمز و کنایات، روپ، پچھلی رات، شبستاں، مشعل اور گل نغمہ وغیرہ کے مصنف

بنام حسن تحیی عندلیب

دفتر زمانہ پٹکاپور
۲۲ فروری سنہ ۱۹۳۸ء

مکرمی تسلیم عرض! آپ کا خط ملا مجھے افسوس ہے کہ

پہلے معلوم نہ تھا ورنہ ۱۹ - ۲۰ فروری کو الٰہ آباد ہی میں جارج ٹاون میں موجود تھا۔ وہاں سے واپسی پر طبیعت خراب ہو گئی اس لیے میں رات کو تو اسٹیشن نہ آسکوں گا۔ البتہ آپ اس گاڑی سے آئیے جو کانپور دن میں پہونچتی ہو۔ اور دفتر زمانہ تک کم سے کم دو گھنٹے کے لیے تکلیف فرمائیے۔ ایک گاڑی الٰہ آباد سے شاید آٹھ بجے چلتی ہے اس سے کیوں نہ آئیے امید کہ آپ نے اپنے پرچے اچھے کئے ہوں گے۔ میرا مکان دفتر کے پاس ہی ہے۔ آپ سیدھے مکان یا دفتر تشریف لائیے۔

بندہ دیانرائن نگم

خط ۲

کانپور ۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء

میرے مکرم تسلیم عرض! بفضلہٖ خیریت ہے۔ آپ کی خیر و عافیت معلوم ہو کر بڑا اطمینان ہوا۔ آپ کے دونوں خط ملے۔ مجھے افسوس ہے کہ پہلے خط کے جواب میں اتنی دیر ہو گئی۔ اس طرف آپکی یاد اکثر آئی لیکن مصروفیات کی وجہ سے خط لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ اردو کانفرنس کے انتظامات میں بوجوہ حصہ نہ لے سکا۔ مجھے

دو تین سالوں سے انجمن ترقی اردو کی روش سے قدرے شکایت ہے۔ اور مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس پلیٹ فارم سے بھی پارٹی پالیٹکس کا مقصد پورا کیا جا رہا ہے اور مجھے یہ پسند نہیں ہے اس لیے میں اس کمیٹی کے استقبالیہ سے علاحدہ رہا آپ نے ترجیح اور ہماری زبان میں میرا نام دیکھکر خیال کیا ہوگا کہ جو خدمت آپنے میرے سپرد کی ہے انجام دے سکوں گا۔ ثاقب صاحب خاص کارکنوں میں سے ہیں میں کوشش کروں گا کہ آپ کا مدعا ان کے گوش گذار ہو جائے اس سے زیادہ کوئی بات میرے بس میں نہیں ہے مضمون کے متعلق میں بعد میں عرض کروں گا اس وقت وہ میرے سامنے نہیں ہے دوبارہ پڑھکر اگر ممکن ہوگا تو شائع کروں گا ورنہ کہیں اور چھپ جائیگا۔ پرچے کے متعلق آپنے جو باتیں لکھی ہیں اس کا شکریہ عرض ہے۔ ہری نرائن جی آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ اپنے والد صاحب سے میرا سلام عرض کر دیجیے۔ امید کہ مزاج مبارک بخیر و عافیت ہوگا۔

بندہ دیا نرائن نگم

خط

کانپور ۵ جنوری سنہ ۱۹۴۲ء

مائی ڈیر حسن یحییٰ صاحب تسلیم! شرمندہ ہوں کہ آپکے محبت نامہ کا اب تک جواب نہ لکھ سکا لیکن اس تاخیر کی اصل وجہ یہ ہے کہ خود ہی اپنے قلم سے آپ کو جواب لکھنا چاہتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ اب لکھنے پڑھنے میں کس قدر تخفیف کرنا پڑتی ہے کرسمس میں لڑکے اور کچھ عزیز آ گئے تھے اس لئے یہ زمانہ تو چہل پہل میں آسانی سے کٹ گیا لیکن اس کے بعد قریب قریب ہر شام کو آپ کی یاد آتی ہے مگر اس خیال سے دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ آپ یہاں پردیس میں تھے اور تمام خواہشوں کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ میں آپکے آرام و آسائش کا اپنے خاطر خواہ کوئی انتظام نہ کر سکا آپ جس محبت اور سعادت مندی سے ہم لوگوں سے پیش آئے اسکی بدولت ہم لوگوں میں مطلقاً کوئی غیریت یا اجنبیت

باقی نہیں رہی۔ اب بھی یہاں سب لوگ آپ کو اسی طرح یاد کرتے ہیں جیسے دوسرے قریبی عزیزوں کو جو کانپور سے باہر اور ہم لوگوں سے دور رہتے ہیں۔ سری نرائن جی اور لچھمن صاحب[1] آپ لوگوں کو تسلیم عرض کر رہے ہیں۔ آپ نے سب کچھ تو لکھا لیکن اپنی ملازمت سے متعلق تفصیل سے نہیں لکھا۔ میرا جی لگا ہوا ہے۔ براہِ کرم لکھیئے کہ آپ کس وقت دفتر جاتے ہیں اور کب تک واپسی ہوتی ہے؟ کام کی نوعیت کیا ہے؟ تنخواہ کا کیا حال ہے؟ مجھے یقین ہے کہ انشاءاللہ جلد ہی یہ سلسلہ مستقل صورت اختیار کر لے گا۔

کتاب کے ریویو کی سخت ضرورت ہے اگر لکھ چکے ہوں تو ریویو اور کتاب دونوں رجسٹری سے بھیج دیں ورنہ اب جلد لکھ ڈالیے۔ اگر خدانخواستہ عدیم الفرصتی کی باعث آپ جلد نہ لکھ سکیں تو بے تکلف کتاب واپس بھیج دیں۔ میں جنوری نمبر میں اُسے شائع کرنا چاہتا تھا۔ اب فروری نمبر میں جا سکے گا لیکن اگر اس میں قباحت ہوئی تو مجھے فاضل مصنف سے شرمندگی ہوگی۔

اپنے والد صاحب گوہر جی کی خدمت میں میرا سلام شوق عرض کر دیں۔ آپ کی بدولت ان کے ساتھ میرا دوستانہ اب پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔ خدا کرے آپ ان کے زیر سایہ عرصہ دراز تک خوش و تندرست رہیں۔ نیا سال آپ اور تمام اعزا کو مبارک ہو۔ زیادہ شوق ملاقات۔

دیا نرائن نگم

---

[1] سری نرائن جی کے صاحبزادے

بنام کیپٹن سوریہ پرتاپ[1]

کانپور

۱۷ نومبر ۱۹۳۸ء ——— میرے مکرم تسلیم۔ نوازش نامہ موصول ہو کر باعث شکریہ ہوا تھا لیکن ان دنوں علالت نے کچھ ایسا گھیر رکھا ہے کہ بار بار طبیعت علیل ہو جاتی ہے۔ آخر اکتوبر سے مسلسل ایک ایک شکایت کی بدولت صاحب فراش ہوں اسی لیے آپ کے نوازش نامہ کا جواب نہ دے سکا خود لکھنا چاہتا تھا اب مجبوراً دفتر کی مدد لے رہا ہوں۔

آپ کے مضمون غلط چھپنے کا مجھے بیحد قلق ہے لیکن امید کہ میری مجبوریوں کے پیش نظر آپ مجھے ان کے لیے قابل معافی سمجھیں گے۔

میں نے زمانہ نومبر صفحہ ۳۲۹[2] پر اسکی جو اصلاح ممکن ہے کر دی ہے اس کے علاوہ اب بجز اظہار معذرت اب کوئی چارہ نہیں ہے۔

مجھے آپ کا یہ فقرہ کہ "گو عبارت CHASTE ہو گئی ہے مگر اس کا CHARM جاتا رہا" بیحد پسند آیا۔ آپکے ذوقِ سلیم اور نظرِ تنقید کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔

ہندی اردو کے متعلق مجھے آپ کے مسلک سے اختلاف رائے ہے مگر میں آپ کے جذبات کا دلی قدرداں ہوں۔ کسی زبان سے تعصب کبھی برحق نہیں ہو سکتا ہے اس سے ہندؤں کا کوئی نفع نہیں اور اس سے ان کے خیالات میں نہ کوئی وسعت اور نہ کوئی گہرائی پیدا ہوتی ہے میں خوش ہوں گا اگر ہندو جتنی زبانوں میں ممکن ہو کمال حاصل کر سکیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی جب ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر غور کریں گے تو میرے عنقریب ہم خیال ہونگے

---

[1] زمانہ میں حق پرست کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے [2] زمانہ کے اپریل ۱۹۳۶ء کے شمارے میں منشی شیام موہن لال جگر بریلوی نے ایک مضمون لکھا تھا اس مضمون کی بنیاد ایک واحد قومیت کا مفروضہ تھا۔ اس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے یہ امید ظاہر کی تھی کہ اردو ایک ایسی شکل اختیار کرے گی جس کو ہندوستانی نام دیا جائیگا اور جو ہندو اور مسلمان دونوں کے تمدن اور معاشرت جذبات اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنے گی جناب حق پرست نے جگر بریلوی کے اس مفروضہ (باقی صفحہ ۱۰۵ پر)

آپکا پمفلٹ جگر صاحب کے پاس پہونچ چکا ہے لیکن اس کی زائد کا پیاں جن کا حوالہ آپکے نوازش نامہ میں ہے میرے پاس نہیں پہونچیں۔ چند کاپیاں بھیج دیجئے عنایت ہوگی۔

ریاست کے حال بغور دیکھتا رہتا ہوں۔ ایشور آپ جیسے صاحبوں کی مدد کرے۔ زمانہ کے لیے آپکے مضامین کا انتظار کرتا رہتا ہوں۔ امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا اور بچے بخیر ہونگے۔

نیاز مند

دیا نرائن نگم ایڈیٹر زمانہ

خط ۲

کانپور ۱۹ مئی سنہ ۱۹۳۹ء

میرے مکرم! نمستے۔ نوازش نامہ مورخہ ۷ مئی سنہ ۱۹۳۹ء وصول ہوا

میں نے کیفی ملہ صاحب اور آصف صاحب کے مضامین بھی آپکے پاس بھجوا دیے۔ یقیناً یہ پانچوں مضامین آپ کی نظر سے گذر گئے ہوں گے۔

آپ کا رجسٹرڈ پیکٹ بھی کل ملا۔ مضمون حسب الحکم جون نمبر میں دے رہا ہوں۔ براہ کرم گجراتی اور بنگالی ترجمے صاف لکھے ہوئے بھجوا دیجئے بلکہ اگر ممکن ہو تو مرہٹی۔ گجراتی۔ تیلگو۔ بنگالی اور کنڑی وغیرہ کی عبارت ہندی یا انھیں زبانوں کے رسم الخط میں لکھکر بھیج دیجئے میں انھیں شائع کر دوں گا۔

آپ کی عنایت اور توجہ کا بدل شکر گذار ہوں۔ ملاقات کی عرصہ سے تمنا ہے دیکھئے کب پوری ہو۔ مہینے سوا مہینے کے لیے عنقریب ہی باہر جانے کا ارادہ ہے۔

میرے خیال میں "غیر سخن شناس" میں کوئی غلطی نہیں۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

آپ کا نیاز مند

دیا نرائن نگم

(باقی صفحہ کا) اسے اختلاف کیا انھوں نے جواب میں ایک مضمون لکھا جس میں انھوں نے بتایا کہ اردو کی داغ بیل ڈالنے والے ہندو نہیں مسلمان ہیں یا ہم انگریز ہندوؤں کا کام کرتے تھے اردو کی ترویج سے اسلامی اثر اور اقتدار کی تقویت اور مذہب اسلام کی تبلیغ ہوئی اور ہوگی۔ اس مضمون میں جناب حق پرست نے یہ بھی لکھا کہ اردو مسلمانوں کیلئے رہیگی اور ہندی ہندوؤں کیلئے۔ منشی دیا نرائن نگم مرحوم نے جناب حق پرست کے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا۔ ملہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی

خط ۳

کانپور ۲۳ مئی سنہ ۱۹۳۹ء میرے محب و مکرم

نوازش نامہ مورخہ ۱۷ مئی سنہ ۳۹ء مع ملحقات پہنچکر باعث شکریہ ہوا۔ مضمون[۱] لکھنے کیلئے دیدیا گیا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں کہ اشاعت کے بعد یہ مضمون کانگریسی لیڈروں کی خدمت میں خاص طور پر بھیج دیا جائے گا۔ اس کا ترجمہ یا خلاصہ بھی پرتاپ کانپور میں چھپوا دوں گا گاندھی جی کے پاس بھی پرچہ نشان کر کے بھیج دوں گا اور انکے سکریٹری کی توجہ دلا دوں گا۔ سنہا صاحب[۲] تو زمانہ کے پرانے شائق اور مداح ہیں وہ اس کے ہر پرچہ کو شروع سے آخر تک دیکھتے ہیں۔ پنڈت جواہر لعل نہرو۔ ڈاکٹر سپرو اور ایڈیٹر صاحب تیج کے پاس بھی پرچہ برابر جاتا ہے بلکہ تیج میں زمانہ کے مضامین اکثر بلا حوالہ شائع ہوتے رہے ہیں۔

آپ کے مضمون کا ایک جواب محمد یحییٰ صاحب تنہا کے صاحبزادہ[۳] نے بھی دیا ہے یہ مضمون بھی شائع ہوگا لیکن اشاعت سے پہلے ہی میں اُسے آپکے ملاحظہ کے لیے بھیج دوں گا

آپ کی کسر نفسی بیجا ہے کیونکہ آپ نے اس مبحث پر خوب خوب مضامین لکھے ہیں اور اس پورے مباحثہ کو بہت اونچی سطح پر لے گئے ہیں البتہ مسلمانوں کو آپکے قوم پرستی سے بجا طور پر شکوہ ہو سکتا ہے۔ یوں تو اصولی حیثیت سے آپنے جو کچھ لکھا ہے بالکل درست ہے لیکن دنیا میں بہت موقعے آتے ہیں جن میں اس مقولہ پر عمل کرنا پڑتا ہے ع

"کہ جائے سپر باید انداختن"

دکن کرانیکل کا کوئی پرچہ میرے پاس نہیں پہونچا مجھے اس کے دیکھنے کا بہت شوق ہے ضرور بھجوائیے۔

ایڈوکیٹ[۴] صاحب آپکے مضامین خوب مزے لے کے پڑھتے ہیں مگر خود کچھ نہیں لکھتے مگر یہ ان کی پرانی شکایت ہے۔ کیا یہ مضمون بعد کتابت آپ کے پاس بغرض تصحیح بھیجدیا جائے۔

۱۔ اردو ہندی اور ہندوستانی سے متعلق مضمون ۲۔ سچدانند سنہا۔

۳۔ حسن یحییٰ ۴۔ مسٹر الیس نرائن کاٹجو ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ۔

میں بفضلہ اچھا ہوں۔ ہفتہ کے اندر شاید باہر چلا جاؤں۔ امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

نیاز مند:

دیانرائن نگم ایڈیٹر زمانہ

خط ۴

کانپور ۱ر جون ۱۹۳۵ء

میرے مکرم! نمستے۔ رجسٹری خط اور نوازش نامہ مورخہ ۲۸ر مئی صادر ہوکر باعث شکریہ ہوا۔ مضمون کی کتابت ہوچکی ہے اور اب پھر وہ مختلف زبانوں کے فقروں اور آپ کے تجویز کردہ عبارتوں کے اضافہ کی غرض سے کاتب کے پاس بھیج دیا گیا ہے۔ میں نے خود اس مضمون کی کاپی دیکھی ہے لیکن مزید احتیاط کے لئے اس کا پروف ارسالِ خدمت ہوگا تاکہ آپ نظر ثانی کرلیں۔

میں آج مہینہ سوا مہینے کے لیے مسوری جا رہا ہوں بال بچے بھی ساتھ ہونگے میرا پتہ یہ ہوگا:۔

معرفت پوسٹ ماسٹر

ڈاکخانہ ہوٹل شارلویل۔ مسوری

آپ بھی اگر آسکیں تو ضرور آئیے۔ عرصہ سے اشتیاقِ ملاقات ہے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

نیاز مند قدیم۔ دیانرائن نگم۔

خط ۵

کانپور ۲ر اگست ۱۹۳۵ء

میرے محب و مکرم تسلیم! آپ میرے سکوت پر ناراض ہوئے ہوں گے لیکن میں بیس روز سے جب سے مسوری سے لوٹا ہوں لڑکی کی علالت سے سخت پریشان و فکر مند ہوں۔ اس کو پہاڑ میں نفع کے بجائے نقصان ہوا اور اب نقاہت کا یہ عالم ہے کہ چوکی پر بھی کرسی پر بٹھا کر جا سکتی ہے۔ علاج میں انتہائی دوا دوش کر رہا ہوں اور کسی وقت

آپ سے غافل نہیں ہوں اور کار متعلقہ میں اس وقت سخت ہرج واقع ہو رہا ہے۔ خط و کتابت میں بھی بڑی بے ترتیبی اور قاہلی ہو رہی ہے۔ آپ کا جوابی مضمون[1] مجھے واپسی پر مل گیا تھا لیکن کل سے پہلے اُسے غور سے نہیں پڑھ سکا اور آج آپ کی ہدایات کے بموجب تصحیح کر اس کو کاتب کو دے رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اسے جولائی میں نہ دے سکا لیکن اگست میں اس کا نکل جانا یقینی سمجھئے۔ میں پروف آپکے ملاحظے کے لیے بھیجوں گا لیکن آپ فوراً پڑھ کر واپس فرما دیں۔ واقعی آپ نے خوب جواب لکھا ہے۔ جگر صاحب کا جواب بھی آپ ہی کے جواب کے ساتھ چھپے گا لیکن ان کو ان باتوں پر توجہ نہیں جو ہر وقت آپکے زیر نظر رہتی ہیں آپ کا لہجہ بھی بہت معقول ہے جس پر میں آپ کو سچے دل سے مبارکباد دے سکتا ہوں اصل یہ ہے کہ آپ نے اصولی بحث چھیڑی ہے۔ جگر صاحب اتنے اونچے نہیں جا سکتے بہر نوع۔ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"

آپ کی بھیجی ہوئی فہرست کے مطابق پرچے بھیجدئے گئے۔ میں ان صاحبوں کو ذاتی خط لکھنے والا تھا لیکن اس کا موقع نہ مل سکا۔ ہاں ایک بات اور قابل گذارش ہے۔ جگر صاحب نے لکھا تھا کہ میں ان کے لیے آپ سے اس مباحثے کے کل مضامین کتابی صورت میں چھاپنے کی اجازت لے لوں۔ میں نے لکھدیا کہ میں آپکی طرف سے اجازت دینے کا مجاز ہوں۔ شوق سے چھاپئے۔ در اصل مجھے اسکی امید نہیں ہے لیکن اگر کل مباحثہ چھپ جائے تو بہت ہی خوب ہے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

آپ کا

دیا نرائن نگم

خط ۶

کانپور ۳ اگست ۱۹۳۱ء

میرے مکرم! آپکے خطوط پھر اُلٹ پلٹ کر دیکھے تو معلوم ہوا کہ ایک ضروری

---

[1] اردو ہندی اور ہندوستانی سے متعلق مضمون جو طویل مباحثے کا ایک حصہ تھا۔

بات کا جواب دینے سے رہ گیا۔ آپنے بچوں کی تعلیم کے متعلق دریافت کیا ہے۔ میرے خیال سے آپ لڑکی کو بنارس یونیورسٹی کے نگرانی میں جو اسکول ہے اس میں داخل کرا دیجئے اس کا انتظام بھی عمدہ ہے اور میری کئی عنایت فرماؤں کی لڑکیاں وہاں پڑھ رہی ہیں اور میں نے انتظام کے بارے میں بھی کوئی شکایت نہیں سنی ہے۔ آج کل میرے بھائی رائے بہادر مسٹر رام سرن نگم وہاں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہیں۔ ان کے لکھنے پر ان کے بھی کئی دوستوں نے اپنی لڑکیاں بنارس اسکول میں بھیجدی ہیں۔ میرے خیال سے مسز سہروردیہ یا آپ صاحب کو وہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ آپ دونوں صاحب ایک مرتبہ داخلہ کے وقت کل انتظامات اپنی آنکھ سے دیکھ آئیں۔ اسکول الٰہ آباد اور لکھنؤ میں بھی ہیں مگر میں بنارس ہی کو ترجیح دوں گا۔

آپ کا

دیانرائن نگم

خط

۱۴؍ اگست ۱۹۳۶ء

مکرمی! میری بدحواسی دیکھئے یہ خط[1] آپ کے پاس بھیجنے کو کئی دن سے رکھا ہوا ہے مگر کل لفافہ بند کرتے وقت اس کو رکھنا بھول گیا۔ بہرحال آج بھیج رہا ہوں۔ اس کے راقم میرے ملاقاتی ہیں لیکن آپ اپنی رائے سے کام لیجیے میری معرفت بھی خط و کتابت ہو سکتی ہے لیکن آپ براہِ راست چاہیں تو انھیں جواب لکھدیں۔

بندہ دیانرائن نگم

---

[1] سہیل عظیم آبادی کا خط۔ انھوں نے منشی دیانرائن نگم کے توسط سے "حق مریت" کو خط لکھکر ان سے پتہ مانگا تھا وہ ان سے خط و کتابت کرنا چاہتے تھے۔

خط ۸

کانپور، ۲۱ر ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء

میرے محب و مکرم تسلیم! نوازش نامہ مورخہ ۱۹ر ستمبر کا شکریہ۔ پمفلٹ
مرسلہ بھی ملا۔ اب لفافہ کا مضمون بھی اس نام سے شائع ہونا چاہیے۔ میں نے جو کچھ کاٹ چھانٹ کی
ہے امید ہے کہ آپ ناپسند نہ کریں۔ میری رائے میں غیر متعلق امور کے نظرانداز کرنے کے
بعد مضمون بہت چست ہو گیا ہے۔

کیا اچھا ہو آئندہ مضامین کے لیے "حق پرست" یا "راست گو" کا نام تجویز کر لیں۔ آپ
اردو تو خوب لکھتے ہیں اور کیوں نہ ہو آخر تمام عمر لکھنے پڑھنے ہی میں بسر کی ہے۔ ہندی میں اگر
آپ کا مضمون لوگوں کو پسند آیا تو واقعی قابل مبارکباد ہے۔ کم از کم میری اور زمانہ کی خاطر
اردو میں لکھنے کو گناہ کبیرہ نہ سمجھئے اور اگر گناہ بھی ہو تو میری خاطر اس کا خیال نہ فرمائیں۔
آخر خاطر احباب بھی کوئی چیز ہے۔ مجھ سے پوچھیے تو میں یہی کہوں گا کہ پنشن لے کر کانپور
آجائیے اور اخبار و رسالہ دونوں میں میرا ہاتھ بٹائیے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

بندہ
دیانرائن نگم

خط ۹

کانپور، ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء

مائی ڈیر سوریہ نراین جی۔ آپ کے کئی خط آئے لیکن اس طرف میں کچھ ایسا
مضمحل ہو گیا ہوں کہ اب تک کسی کا جواب نہ لکھ سکا اس کے لیے شرمندہ ہوں
اسلئے اور بھی کہ پچھلے حادثات نے مجھے بالکل ناکارہ بنا دیا ہے اور مجھے ندامت سے اعتراف کرنا پڑتا ہے
کہ میں پہلی ہی آزمائش میں خام کار ثابت ہوا۔ یہ ضرور ہے کہ میں عجب خواب غفلت میں تھا مجھے
ان حادثوں کا خواب میں بھی خیال نہ تھا۔ حالانکہ مجھ سے ایک جوتشی نے بیس سال کے قریب
ہوئے یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ اس سال تم کو بیوی کا بیوگ ہوگا اور ورش پھل نکالنے والے
نے نقصان کثیر بھی لکھا تھا لیکن ورش پھل کو میں نے آخر جولائی میں دیکھا اور جوتشی کی

پیش گوئی کا پرچہ میں نے اسی وقت پرانے کاغذات میں ڈالدیا تھا۔ اس کا اس طرف پندرہ سولہ سال سے خیال ہی ذہن سے اتر گیا تھا۔ بیوی کی وفات کے بعد اتفاقاً یہ کاغذات ملے تو ہاتھ مل کے رہ گیا۔ حالانکہ پہلے سے معلوم ہو جاتا تو کیا کر لیتا۔ لیکن اس وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بھر میں نے ایسا دھوکا کبھی نہ کھایا تھا۔ دل کی بیقراری اور طبیعت کی ملال و انتشار کی کیفیت ناقابل بیان ہے۔ آپ کی دلی ہمدردی اور محبت کے لحاظ سے میں نے اپنے ناگفتہ بہ حالات کا ذکر کیا۔ معاف کیجیے گا۔ کیونکہ میں اپنی داستانِ غم سے احباب اور عزیزوں کو بے لطف کرنا نہیں چاہتا۔

سہیل صاحب کے نام آپ کا خط بھیجدیا گیا ہے۔ غالباً وہ اس کا جواب دینگے جواب خط ارسالِ خدمت ہوگا۔

مضمون کی تصحیح ستمبر نمبر میں کر دی گئی ہے۔ یہ پرچہ عنقریب ہی حاضرِ خدمت ہوگا۔

جگر صاحب نے "ح۔ ی۔ م" کا جواب لکھکر بھیجا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اب ان کا کوئی جواب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ آپ نے جس معقولیت سے یہ بحث اٹھائی ہے اس کا کسی صاحب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ عبدالحق[1] صاحب نے حال میں اردو کی حمایت میں ایک پندرہ روزہ[2] اخبار دہلی سے ہماری زبان کے نام سے نکالا ہے اس میں بھی ایک مرتبہ انھوں نے جگر صاحب کی شکایتوں کا محض سرسری ذکر کیا ہے باقی مضامین کا مطلق کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ میں اس کے یہ معنی سمجھتا ہوں کہ وہ آپ کے منطقی دلائل سے الجھنا نہیں چاہتے۔

ہندی کے متعلق شاستری کا مضمون اگلے ماہ کے رسالہ کا زیب عنوان ہوگا۔ میں اس مضمون کیلئے آپ کا شکر گذار ہوں۔ پروفیسر صاحب سے اس قسم کے مضامین اور بھی حاصل کیجیے۔

آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ پردانی صاحب نے اورینٹل کانفرنس میں بلایا تھا۔ پہلے ارادہ تھا کہ اسی بہانہ آپ صاحبان سے ملاقات ہو جائے گی لیکن اب طبیعت کچھ ایسی

۱؎ بابائے اردو مولانا عبدالحق۔ ۲؎ "ہماری زبان" نامی پندرہ روزہ اخبار۔

پژمردہ ہو گئی ہے کہ کسی کام کو جی نہیں چاہتا اکثر احباب نے بلایا اور لڑکے بھی اصرار کر رہے ہیں لیکن اس وقت کہیں ہلنے کو جی نہیں چاہتا ہے۔

آپ کا اس طرف آنے کا ارادہ تھا۔ تعطیل تو قریب ہے۔ کانپور آنا ہو تو دو چار روز پہلے سے اطلاع دیجیے گا۔ آپ نے پہلے ۱۷ ستمبر سے تعطیلات شروع ہونے کا ذکر کیا تھا۔ بہر حال میں اور سری نرائن جی دونوں مشتاق ملاقات ہیں۔ واقعی آپ کی محبت دل میں کچھ ایسی جاگزین ہو گئی ہے کہ میں خود نہیں کہہ سکتا کہ اس قدر دور ہوتے ہوئے بھی کس قدر قرب حاصل ہو گیا ہے۔

امید کہ آپ مع اہل و عیال بخیر و عافیت ہوں گے۔

آپ کا مخلص
دیانرائن نگم

خط ۱۰

کانپور ۲۴ نومبر ۱۹۳۵ء

میرے شفیق مکرم! آپکے نوازش نامے آئے۔ تازہ خط سے آپکی تشریف آوری کی خوشخبری ملی۔ بیحد خوشی ہوئی ضرور آئیں اور مجھے تاریخ اور وقت آمد سے پہلے سے مطلع کر دیجیے بلکہ اگر ممکن ہو تو پورا بھی اپنے پروگرام سے اطلاع دیجیے۔ میں دو تین روز کیلیے شاید گورکھپور لڑکے کے پاس جاؤں اس لیے چاہتا ہوں کہ آپ کی آمد سے پہلے یا بعد جانے کا قصد کروں۔

ہاں ایک التماس اور ہے کہ اس دفعہ گو آپ کو تکلیف ہی کیوں نہ ہو لیکن میرے ہی یہاں قیام فرمائیں تاکہ دو تین دن جو میسر آسکیں لطف صحبت رہے۔ باقی بر ملاقات۔ ابھی تک میری دماغی حالت معمول پر نہیں آئی ہے۔

سہیل عظیم آبادی کا خط آیا تھا ملاحظہ کیلیے بھیج رہا ہوں۔ حال ہی میں ان کے یہاں لڑکا ہوا ہے۔ ہندی پرچوں کے متعلق آپ کے حسب منشا تعارف کا انتظام ہو جائے گا۔

آپکے دیدار کا مشتاق
بندہ دیانرائن نگم

خط ۱۱

کانپور ۳۰ دسمبر ۱۹۳۹ء

عزیز مکرم تسلیم! آپ کا خط صبح ملا۔ پڑھ کر بہت پریشان ہو گیا اس سے پہلے کبھی ان کی کمزوری یا درستی مزاج کا حال معلوم نہ ہوا تھا۔ کیا سنگرہنی کا شدید حملہ ہوا ہے یا کوئی اور پیچیدگی یا نسوانی شکایت ہے۔ ایشور سے سچے دل سے دعا ہے کہ آپکی اور ڈاکٹر صاحب کی کوششیں کامیاب ہوں اور مریضہ کو اس شدید مرض سے جلد ہی صحت کلی حاصل ہو۔ آپ نے نرسنگ ہوم لیجانے میں بڑی عقلمندی سے کام لیا۔ اس سے بہتر انتظام علاج اور تیمار داری کا نہیں ہو سکتا تھا۔ بھگوان ان سب تدبیروں کو درست لائیں۔

اس وقت مضمون کی پرواہ نہ کیجئے۔ مریضہ کی صحت کے بعد کسی دن بیٹھکر مکمل کر دیجئے گا۔ کوئی عجلت نہیں۔ اس وقت تو تمام تر توجہ اس نئی مصیبت کو ٹالنے میں اصرف ہونا چاہئے۔

سری نرائن بھائی کے پاس ایٹہ گئے تھے۔ کل رات ہی کو واپس آئے ہیں۔ وہ بھی آپ کا خط پڑھکر بہت متفکر ہو گئے ہیں۔ سہیل صاحب کو خط بھیج رہا ہوں۔

اس وقت تو سب کی یہی دعا ہے کہ ایشور آپ کو اس فکر سے جلد نجات دے اور مسز کو شفاء کلی نصیب ہو۔

براہ مہربانی حسب فرصت حالات سے مطلع فرماتے رہئے گا جی لگا رہیگا

آپ کا

دیا نرائن نگم

خط ۱۲

کلکتہ یکم مارچ ۱۹۴۰ء

میرے محب و مکرم تسلیم! میں یہاں ۲۴ فروری کو آگیا تھا۔ کل شام آپ کا محبت نامہ ۲۵ فروری کا کانپور ہوتا ہوا یہاں ملا۔ ابھی چار پانچ روز قیام رہیگا۔ ۱۰ مارچ تک کانپور پہونچ جاؤں گا۔ راستے میں ایک دن مسز پریم چند اور ان کے بچوں کے پاس ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ آپ کے خطوط پڑھکر دل کی جو حالت ہو جاتی ہے بیان نہیں کر سکتا شاید اس لئے

کہ میں بھی آپ ہی کی طرح زخم خوردہ ہوں۔ آپ کی مصیبت سے ایک خاص ہمدردی
ہو گئی ہے۔ دراصل اب میں دنیا کے سب خانہ برباد لوگوں کا شریک غم ہوں آپ کی
محبت اور آپ کی کشادہ دلی نے تو پہلے ہی دل میں ایک خاص جگہ کر لی تھی۔ اس
طرح شاید ہی کوئی دن جاتا ہو کہ آپ کی یاد نہ آتی ہو بارہا چاہا کہ کسی طرح چند روز کی یکجائی
کا موقع میسر ہو لیکن میں بے کار سا ہو گیا ہوں، اور آپ اس قدر دور اور اس پر اس
درجہ مجبور رہیں۔ سرکاری ملازمت کی بندش اور خانہ داری کی ذمہ داریاں آپ کو بھی جکڑے
ہوئے ہیں۔ میری حالت بالکل نیم مردہ سی ہو گئی ہے اگر آپ جیسے عزیزوں اور دوستوں
کی محبت درمیان میں نہ ہوتی تو شاید یہ قصہ اب تک پاک ہی ہو گیا ہوتا۔ لیکن آپ ابھی
نوجوان ہیں اس قدر ہمت نہ ہاریے اور بچوں اور ملک دونوں کی خاطر زندگی بسر
کیجئے۔ ممکن ہو تو ایسٹر کی تعطیل میں کانپور آئیے شاید دو چار دن میری اور آپ کی
دونوں کی طبیعت بہل جائے۔ یہاں ایک آفت ختم نہیں ہونے پاتی کہ دوسری فکر
سر پر آجاتی ہے۔ میرے چھوٹے بھائی رام سرن نگم جی رائے بہادر امراض قلب میں گرفتار
ہیں۔ یہاں ماہر قلب ڈاکٹر ستیش چندر بوس[1] کے زیر علاج ہیں انھیں کو دیکھنے یہاں آیا
ہوں۔ بفضلہ علاج سے خاطر خواہ فائدہ ہے لیکن مرض بڑا دغاباز ہے۔ ایشور ہی رحم
کرے۔

آپ کا مضمون کاتب کے ہاتھ میں ہے میں نے آپ کی لکھی ہوئی ترمیمیں بنا دی
ہیں اور کہیں کہیں خفیف رد و بدل کی بھی جرأت کی ہے۔ مگر اس میں حتی الوسع یہی
کوشش کی ہے کہ مطلب اور مفہوم کے علاوہ آپ کا اسٹائل بھی نہ بدلنے پائے اول تو میں
نے ہر جگہ جہاں آپ نے "اس" میں "واو" لکھا ہے وہاں واو قلمزد کیا ہے دو ایک
فقروں کی ترکیب آسان کر دی ہے۔ میں نے اکثر الفاظ کی فارسی جمع کی بجائے اردو جمع

۱؎ امراض قلب کے کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر۔ دور دراز کے مریض کلکتہ میں ان کے یہاں
بغرض علاج جاتے تھے۔

کردی ہے امید کرتا ہوں کہ خفیف دخل در معقولات ناگوارِ خاطر نہ ہوگی۔ میں مضمون کی کاپی یا پروف آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیجوں گا۔ اس وقت آپ ان میں جس بات کو ناپسند کریں بے تکلف لکھ دیں۔ میں آپکی رائے اور مرضی کو مقدم سمجھتا ہوں۔

زمانہ کے سو پرچے بھجوا دیے جائیں گے قیمت جو مناسب سمجھیے بھجوا دیجیے یا اس کا فیصلہ خود مکتبہ کے مالک و منیجر پر چھوڑ دیجیے۔ زمانہ کوئی تجارتی پرچہ نہیں ہے اس لیے کم و بیش کا خود آپ کو اختیار ہے۔ کیونکہ زمانہ پر آپ کا بھی اتنا ہی اختیار ہے جتنا میرا۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ اسکی ذمہ داریوں میں میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔ اگر آپ نے کما کر اتنا پس انداز کر لیا ہے کہ بچوں کی تعلیم وغیرہ میں کوئی قباحت پیش نہ آئے تو میں یہی کہوں گا کہ اس سے بڑھکر اس وقت اور کوئی ملکی خدمت نہیں ہے۔ ایشور نے آپ کو اس کے قابل بھی بنایا ہے۔ کیا عجب ہے کہ تعلقات کی رسی بھی اسی مصلحت سے کاٹ گئی ہو کہ آپ اپنی توجہ کنبہ سے ہٹا کر ملک و قوم کی طرف کر دیں۔ میں بفضلہ اچھا ہوں آپ کی خیر و عافیت اور سکونِ قلب اور بچوں کی تندرستی اور ترقی کے لیے ہر وقت دست بدعا ہوں۔

آپکا

دیانرائن نگم

خط ۱۳

کانپور یکم اپریل ۱۹۴۰ء

بھائی جان تسلیم! آپکے کئی خط آئے اور شاید ہی کوئی دن گیا ہو کہ آپکا خیال دل میں نہ آیا ہو۔ مضمون بھی بعد صحت مل گیا۔ قابل صاحب کا مختصر مضمون اور نذیر حسین صدیقی صاحب کی غزلیں بھی مل گئیں۔ اس عنایت و توجہ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ مگر آپ کہیں گے کہ اتنے دنوں کے سکوت کی کیا وجہ ہے۔ آخر ہر خط کی رسید کیوں نہ دی گئی۔

سنئیے! آپ سفر میں تھے اور ایک مخلص بزرگ کے لطف صحبت سے مستفید ہو رہے تھے۔ جسکو میں دنیا کی نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہوں اور اس میں خواہ مخواہ مخل ہونا کفر سمجھتا ہوں۔ دوسرے آپ کا جو پہلا خط آیا جس میں آپنے میرے دخل در معقولات کا شکوہ کیا تو میں اپنی جگہ پر سہم گیا کہ کہیں خدانخواستہ میں نے آپ کے احساسات نازک کو مجروح تو نہیں کر دیا ہے۔ بلا آزردن دلِ دوستاں" کو محض جہل نہیں بلکہ انسانیت پر ایک ناقابل تلافی حملہ بلکہ زخم کاری سمجھتا ہوں۔ پھر اس خیال سے کہ آپ کو میرا رویہ دل پسند نہیں آیا۔ دل لرز گیا مگر تیر از کمان رفتہ کا معاملہ تھا۔ خوشی تھی تو صرف اس بات کی کہ آپ نے صفائی قلب سے اپنے دلی خیالات مجھ پر ظاہر کر دئے۔ اس صفائی اور سچائی سے اطمینان اور سکون دونوں نصیب ہوا کیونکہ اس سے ضرور ثابت ہو گیا کہ آپ کو مجھ پر اور میرے خلوص و محبت اور نیاز مندی پر اتنا بھروسہ ضرور ہے کہ آپ نے اپنے دل کی بات مجھ سے صاف صاف کہہ دی۔ میری نگاہ میں اس دوستی و ملاقات کی کوئی وقعت نہیں جو صاف گوئی کی تاب نہ لا سکے۔ بہر حال مجھے اس شکوے میں بھی لطف آیا اور جب کاپیاں بعد تصحیح واپس آئیں تو اور بھی خوشی نصیب ہوئی۔ میں جس جرم کو بڑا سنگین سمجھتا تھا وہ "قطرۂ خون" سے سوا نہ نکلا۔ آپ نے مضمون کو دوبارہ پڑھنے کی جو تکلیف اٹھائی ہے اس کا میں تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ یقیناً آپ نے احسان مجھ پر احسان کیا۔ بلکہ معاف کیجئے گا آپنے جہاں جہاں درستی یا تبدیلی کی ہے کوئی ایسی نہیں ہے جس کے قبول کرنے میں ذرا بھی پس و پیش ہو سکتا۔ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کسی وجہ سے آپکو یہ وسوسہ ہو گیا کہ میں آپ کی اصلاح و ترمیم کو قائم نہ رکھوں گا۔ لیکن یقین مانئے یہ خیال درست نہیں ہے۔ آپ جس حیثیت اور جس صورت سے مضمون کی اشاعت چاہتے ہیں اسی حیثیت اور صورت سے مضمون شائع ہوگا۔ اس کا اطمینان کامل رکھئے بلکہ مزید احتیاط کیلئے اس کے پروف بھی آپ کے ملاحظہ کیلئے بھیج دوں گا تاکہ آئندہ کسی قسم کی غلط فہمی کی گنجائش ہی نہ رہے۔

---

[1] قابل صاحب زمانہ کے مضمون نگار تھے۔ ان کے کئی مضمون زمانہ کے مختلف شماروں میں شائع ہو کر مقبول ہوئے [2] نذیر حسین صدیقی صاحب زمانہ کی محفل شعراء میں شامل تھے ان کی بہت سی بلند پایہ اور مرصع غزلیں ماہنامہ زمانہ میں چھپ کر مقبول ہوئیں۔

ہاں ایک بات اور بھی لکھے دیتا ہوں کہ آپ کے مفصل خط سے مجھے آپ کا دلی منشا بخوبی ذہن نشین ہو گیا ہے۔ اور بھی اکثر احباب نے مجھ سے اس قسم کی شکوہ شکایت کی ہے آپ بھی دو ایک بار اس کی بابت مجھے لکھ چکے تھے لیکن یقین مانیے کہ مجمل شکوہ سے آپ کا دلی منشا مجھے پورے طور پر ظاہر نہ ہوا۔ طرز ادا اور اسٹائل کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے مجھے نہ صرف ہمدردی بلکہ دلی اتفاق ہے۔ ایک آدھ جگہ جہاں صرف ایک لفظ پر آپ کو اعتراض ہوا ہے۔ وہاں در اصل میرا قصور نہیں بلکہ کاتب کا قصور ہے۔ بہر حال مجھے وثوق ہے کہ میرے ساتھ آپ کو وہ قباحت پیش آئے گی جو آپ کے لطیفہ کے ایڈیٹر صاحب کے ساتھ مضمون نگار کو پیش آئی تھی۔ مجھے اس بات سے آپ کے ساتھ پورا اتفاق ہے کہ اصلاح یا ترمیم میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ مضمون نگار کے طرز تحریر پر کوئی اثر نہ پڑے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں اس ہدایت پر کاربند رہ سکوں گا اور اشو رہا ہے گا۔ اور میں بھی کوشش کروں گا کہ کم سے کم آپ کو آئندہ مجھ سے اس قسم کی شکایت پیدا نہ ہو۔ لیکن کیا اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ نہیں ہے کہ ترمیمات کے متعلق اگر خدانخواستہ کوئی ترمیم ہو تو پہلے آپ سے مشورہ کر لیا جائے اسی لحاظ سے اس مضمون کی کاپی آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیجی گئی تھی۔

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ ایسٹر ہولی ڈے کی تعطیل میں اورنگ آباد چلے گئے تھے۔ قابل صاحب کا جو مختصر مضمون آپ نے بھیجا ہے اس سے ان کی وسعت نظر کا ثبوت ملتا ہے۔ صدیقی[1] صاحب کی غزلیں بھی قابل قدر ہیں۔ آپ نے زمانہ کے لیے یہ چیزیں حاصل کر کے مجھ پر و نیز زمانہ پر احسان عظیم کیا ہے۔

تمام حالات پر نظر کر کے اس وقت یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمت و استقلال کے ساتھ اپنے کام پر لگے رہیں اور ملازمت کی مدت پوری ہونے تک فرصت کا وقت ملک کی ادبی و علمی خدمت کے لیے وقف رکھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ کسی رفیقۂ حیات کا سہارا لیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ شاید دلبستگی کی صورت نکل آئے۔ گو یہ لکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے

---

[1] نذیر حسین صدیقی

کہ کہیں آپ کو میری طرف سے غلط فہمی نہ ہو جائے۔ میں آپ کے جذبات کی گہرائی کو بخوبی محسوس کرتا ہوں۔ آپ کی شکایت کو بھی خوب سمجھتا ہوں اور اس کی تلافی کو بھی ناممکن جانتا ہوں پھر بھی خانہ بربادی کے بعد اگر آدمی کچی پکی دیواریں کھڑی کر کے آفاتِ دنیوی سے پناہ گزیں ہونے کی فکر کرے تو میں اس کو عین بشریت سمجھتا ہوں۔ آپ تو مجھ سے بہت چھوٹے ہیں مجھے زندگی دوبھر معلوم ہوتی ہے۔ پھر آپ پر کیا گزرتی ہو گی۔ ہاں ایشور قلبِ مضطر کو سکون عطا فرمائیں تو ان کا خاص عطیۂ خداوندی ہو گا۔

امید کہ بچے خوش ہوں گے اور آپ بھی بخیر و عافیت ہوں گے۔ ملاقات کو بہت جی چاہتا ہے۔ سری نرائن کو مضمون کا کچھ حال معلوم نہ تھا اس لیے میری غیر حاضری میں جواب نہ لکھ سکے۔ سوئے اتفاق سے انھیں پتہ بھی یاد نہ رہا۔ چنانچہ اس بات پر بہت کچھ نادم ہیں امید کہ آپ ان کی کوتاہی نظر انداز کریں گے۔

کلکتہ سے واپسی پر ایک دن پٹنہ ٹھہرا تھا۔ سہیل[1] صاحب سے ملاقات ہوئی تھی بڑے خلوص و محبت کے آدمی ہیں اور بڑی بڑی اسکیمیں سوچا کرتے ہیں۔ حالانکہ ملک کی حالت بڑی اسکیموں کی مخالف ہے۔ آگرہ بھی گیا تھا اور مکرمی ستیہ پرشاد صاحب مدہوش کے پاس ٹھہرا تھا۔ بڑے خوبیوں کے آدمی ہیں۔ دو تین دن خوب لطفِ صحبت رہا۔ دیکھئے آپ سے کب تک ملنے کی نوبت آتی ہے۔

آپ کا مخلص

دیا نرائن نگم

۱؎ منشی جی کے بڑے صاحبزادے سہیل عظیم آبادی مشہور افسانہ نگار۔

کانپور ۱۹/اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

میرے محب مکرم! آپ کا محبت نامہ ملا۔ پروف آپ کی خدمت میں روانہ کیا جا رہا ہے۔ میں نے ترمیم شدہ حصے کو نکال کر آپ کے ملاحظہ کے لیے خارج شدہ ٹکڑوں کو بھیجنا چاہا تھا مگر اس کا موقع نہ ملا۔

مجھے آپ کی سب ترمیمیں پسند آئیں البتہ منتیج والا فقرہ پسند نہیں آیا مگر میں نے آپ کی رائے کو مقدم سمجھ کر اس کو یونہی رہنے دیا۔ مضمون پریس میں دے دیا گیا ہے۔ اور زائد کاپیاں چھپوائی جائیں گی مگر آپ نے یہ نہ لکھا کہ ٹائیٹل رنگین کاغذ کا ہو یا سادہ۔ رنگین کاغذ میں دام زیادہ لگیں گے۔ براہِ عنایت مفصل ہدایات جلد بھیج دیجیے اور اشتہار Delhi Publications Ltd. کا جلد بھجوا دیجیے۔ مضمون کی کاپیاں کس کے نام سے بھیجی جائیں گی۔

آپ نے خانگی اطمینان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے مجھے دلی ہمدردی ہے میں بھی اسی ادھیڑ بن میں ہوں اور دل الجھا ہوا ہے بیان نہیں کر سکتا لیکن اسی وجہ سے آپ کی مصیبت بخوبی محسوس کر رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں جن معاملات کے متعلق اور جن مسائل پر آپ نے محبت نامہ میں اظہار خیال کیا ہے وہ بہت غور طلب ہیں۔ میں بھی ان پر برابر غور کرتا ہوں اور فرصت ہوئی تو کبھی مفصل خیالات لکھوں گا۔ میری یہ رائے کبھی بھی نہیں رہی ہے کہ اپنے اطمینان قلب کی فکر میں کسی دوسرے متنفس کی زندگی اکارت کر دی جائے لیکن کیا ملک اور قوم میں سیکڑوں معصوم اور رنجیدہ اور صرف شادی کے نام کی گنہگار بیوائیں نہیں ہیں؟ اگر آپ جیسے مصیبت زدہ لوگ اس میں ذرا جرأت سے کام لیں تو اپنے درد دل کا بھی تھوڑا بہت علاج ہو جائے اور کسی دوسرے مصیبت زدہ کی مشکل کشائی کی صورت بھی نکل آئے۔ بہرحال اس وقت محض اس طرف اشارہ کر رہا ہوں تفصیل کے ساتھ کسی اور وقت اپنے خیالات لکھوں گا اگر ممکن ہو تو گرمی میں چھٹی لیجیے تاکہ تھوڑے دنوں تو یکجائی کا موقع مل سکے۔

امید کہ آپ اور بچے اچھی طرح ہوں گے۔ میں آج کل بہت عدیم الفرصت

ہوں۔ صدیقی صاحب کی غزلیں بڑی بلند پایہ ہیں۔ میری طرف سے انھیں مبارکباد دے دیجیے گا

آپ کا نیازمند
دیا نرائن نگم ایڈیٹر زمانہ

خط ۱۵

کانپور ۲۵ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

میرے محب مکرم! نمستے۔ آپ کا محبت نامہ کل ملا۔ کل ہی دفتر سے ایک تار گیا جس میں یہ درج تھا کہ اگر حکم ہو تو مضمون کی زائد کاپیاں چھپوالی جائیں۔ آپ کے یہاں جلسہ ۲۸ اپریل کو ہے۔ میں یہاں سے ۲۵ تاریخ کو پارسل بھیج سکتا ہوں۔ اب بھی اگر ممکن ہوا تو دو ڈھائی سو کاپیاں اپنی طرف سے بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ زمانہ کے بھی پچیس پرچے زائد تیار ہو جائیں گے۔

مجھے افسوس ہے کہ مضمون آپ کے حسب منشا نہیں چھپ رہا ہے مگر جو غلطیاں آپ نے پروف میں درست کی ہیں انھیں میں نے خود دیکھ لیا ہے اور پتھر پر درست کرا دیا ہے لیکن ایک جگہ عبارت گنجلک معلوم ہوئی۔ اصل سے مقابلہ کیا تو آپ کا لکھا ہوا فقرہ زیادہ درست تھا۔ اس لیے اسکو پھر بجنسہ لکھوا دیا ہے۔ بہرحال اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی جاتی ہے کہ مضمون بہترین صورت میں شائع ہو لیکن میری مشکلات اور اردو پریس کی بے بضاعتی انتظامات مکمل نہیں ہونے دیتی۔

خط و کتابت میں ضرور بعض اوقات دیر ہو جاتی ہے لیکن شاید آپ کو پورا پتہ نہیں ہے کہ مجھے کتنے خط روزانہ لکھنے پڑتے ہیں۔ یقین مانیے کہ آپ کو روزانہ نہیں تو ہفتہ میں دو تین بار ضرور لمبے لمبے خط لکھنے کا جی چاہتا ہے لیکن کام کی کثرت اور طبیعت کی بددلی درمیان میں مانع ہوتی ہے لیکن ضروری خطوط لکھنے میں کوشش کروں گا کہ تاخیر نہ ہونے پائے۔ امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا

آپ کا بندہ
دیا نرائن نگم۔

لہ نذیر حسین صدیقی

خط ۱۲۷

کانپور ۱۲ مئی ۱۹۴۰ء

بھائی جان! نمستے۔

آپ کے دونوں محبت نامے ملے۔ اس کو کئی روز ہو گئے۔ قریب قریب روزانہ میں ان دونوں کے مضمون پر غور کرتا رہا۔ لیکن ابھی تک آپکو جواب لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ آجکل معمول سے کہیں زیادہ مصروفیت کی وجہ یہ ہے کہ چند سال سے کچھ امتحانات کا کام کر لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ دو مہینہ اپریل و مئی میرے لیے سخت محنت کے مہینے ہوتے ہیں۔ دن رات کام کرنا پڑتا ہے جب جا کر کچھ ٹکے ہاتھ لگتے ہیں۔ دو سال سے یہ رقم بھی ایک فضول دیرینہ باری پوری کرنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ بہرحال اس شبانہ روز کی محنت کی وجہ سے آپ کو خط لکھنے کا موقع نہ ملا۔ اس وقت بھی اطمینان خاطر سے یہ نیازنامہ نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ محض رفع انتظار مقصود ہے۔

پاکستانی اسکیم کو ضرور ریاست سے تعلق خاص ہے۔ کیونکہ مجھے بھی اس طرف اس سلسلہ میں کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں جس سے اس کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے کہ ریاست خفیہ طور سے اس اسکیم کی اشاعت پر روپیہ صرف کر رہی ہے۔ ہاں میں حال میں پٹنہ گیا تھا اور وہاں سے واپسی پر الہ آباد ٹھہرا تھا جہاں سر سپرو[1] سے ملاقات ہو گئی ان سے معلوم ہوا کہ آپکے آریہ تحریک کے سلسلہ میں بھی لیڈروں کی اسکیم بڑی ہوئی ہے۔

مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ پمفلٹ کا پارسل وقت سے کسی قدر دیر میں پہونچا۔ امید کہ دو روز میں بہت سی کاپیاں نکل گئی ہوں گی۔ اس سے میں نے پھر رسالہ کی پچاس کاپیاں نہیں بھجوائیں لیکن آپ کو درکار ہوں تو مطلع فرمائیے۔ دس بیس اپنے احباب میں تقسیم کے لیے بلا تکلف منگوا لیجئے۔ میں نے منیجر صاحب سے دس پرچے بھیجنے کو کہدیا تھا۔ غالباً یہ پہونچ گئے ہوں گے۔

---

[1] سر تیج بہادر سپرو

پمفلٹ کے دیر میں پہونچنے سے جو نقصان ہوا وہ دفتر زمانہ کے ذمہ کر دیجیے اس میں مطلق کوئی تکلف برتنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ہند کتب ایجنسی والوں سے اطمینان فرما لیجئے

آپکے مضامین کی کتاب میں پٹنہ میں مسٹر سنہا[1] کو دے آیا۔ سہیل[2] صاحب بھی شائق تھے اور مسٹر ایس نرائن[3] کاٹجو ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ بھی جو ڈاکٹر کاٹجو سابق وزیر صوبہ کے صاحبزادے ہیں، اس کے طالب ہیں۔ آج کل وہ اس بحث میں بڑا سرگرم حصہ لے رہے ہیں اور انگریزی روزنامہ لیڈر میں کئی اہم مضامین لکھ چکے ہیں۔ اب ان مضامین کا ایک مجموعہ نکالنا چاہتے ہیں جسکی تمہید سنہا صاحب لکھیں گے مگر اس کے لیے وہ زمانہ کے مضامین اور آپ کی تحریرات سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں لیکن ان سب کا خلاصہ مانگ رہے ہیں اگر ممکن ہو تو انگریزی میں مختصر Summary لکھکر ان کے لیے بھجوا دیجئے۔ زمانہ میں قریب قریب اٹھارہ انیس مضامین اس موضوع پر نکل چکے ہیں۔ ان سب کا مختصر خلاصہ درکار ہے۔ معلوم نہیں آپ اس قدر دردسر گوارا کر سکیں گے کہ نہیں۔

دوسرا خط جو آپ نے لکھا ہے وہ نفسیاتی حیثیت سے بڑا غور طلب ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ آپنے اپنی دماغی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ سب کچھ مجھ پر بھی صادق آتا ہے۔ چنانچہ آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ گو میں طبعاً تنہائی پسند نہیں ہوں اور ہمیشہ ہجوم میں زندگی بسر کی لیکن اب بعض اوقات کسی گوشۂ عافیت میں بھاگ جانے کا جی ہوتا ہے جال میں دو مرتبہ لکھنؤ گیا اور کسی دوست کے یہاں ٹھہرنے کے بجائے ہوٹل میں بالکل تنہا ٹھہرا۔ آپ کو بابو پورن[4] داس کی سنگت پسند آئی ہے۔ تو یہ جگہ ہر حیثیت سے بہتر ہے۔

پبلک کاموں میں منہمک ہونے سے بھی بہت کچھ مدد مل سکتی ہے لیکن آپ اسقدر منہمک نہ ہو سکیں گے کہ پھر کسی بات کی یاد ہی نہ آئے البتہ خرابی کے مواقع کم ملیں گے لیکن [illegible] کنیاپاٹ شالہ کی ممبری کہیں آپکے لیے مزید پیچیدگیاں نہ پیدا کر دے بہر حال

---

[1] زمانہ کے ایک مخلص دوست اور بہی خواہ۔ [2] سہیل عظیم آبادی۔ [3] زمانہ کے بہی خواہ اور ہمدرد۔ [4] بابا پورن داس اودسین مت کے ایک زندہ دل اور بہت خلیق بزرگ جن کا سنگت مکتوب الیہ کے دفتر کے پاس ہی تھا جن کی صحبت اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد انھوں نے اختیار کی۔

میں نے اوائلِ شباب ہی میں اپنے لیے یہ طے کر لیا تھا کہ کسی سبھا یا سوسائٹی کا خزانچی نہ ہوں گا اور کبھی زنانہ اسکول کا انتظام اپنے ہاتھ میں نہ لوں گا۔ ان دونوں باتوں پر قائم رہنے سے بہت سی بلاؤں سے محفوظ رہا ہوں۔ لیکن آپ غالباً یہ فرائض اپنے اور سب کے حسبِ دلخواہ انجام دے سکیں گے۔

اس وقت بہت عجلت میں یہ نیاز نامہ لکھا ہے۔ ممکن ہے کوئی لفظ رہ گیا ہو یا کوئی بات بھونڈے طریقہ سے ادا ہو گئی ہو گی۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیریت ہو گا۔ مزید حالات سے مطلع فرماتے رہیے۔ شاید آخر ماہ تک مہینہ سوا مہینہ کے لیے باہر جاؤں۔ آپ بھی ساتھ ہو سکیں تو خوب بن جائے۔ اور مل بیٹھیں دیوانے دو۔

آپ کا: دیا نرائن نگم

خط ۱۴

کانپور ۳۰ مئی ۱۹۴۰ء

میرے محب و مکرم! نمستے۔ آپ کا محبت نامہ ملا۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آج خط کا مکمل جواب لکھ دوں۔ بعض اوقات خود بھی کوئی نہ کوئی بات گوش گزار کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن کام کی کثرت اور خانہ داری کی علتیں سدِ راہ رہتی ہیں۔ یہ دو مہینے یوں بھی بڑی محنت کے ہوتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک پیسے کی جائز آمدنی سے بھی میں مستغنی نہیں ہوں۔ چنانچہ امتحانات کے سلسلے میں بھی جو کام بے تکلف مل جاتا ہے قبول کر لیتا ہوں

آپ نے مہاراجہ[۱] کشن پرشاد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا میرے قلب پر خاص اثر ہوا چاہتا ہوں کہ آپ ان کے متعلق زمانہ کے لیے ایک مضمون لکھ دیں مگر ان کی مرنجاں مرنج زندگی کا خیال رکھتے ہوئے۔ واقعات سب اپنی اپنی جگہ آ جائیں۔ معاندانہ انداز سے کوئی

۱؎ مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد مرحوم حیدر آبادی

نکتہ چینی نہ ہو۔ میں دو cuttings بھجوا چکا ہوں۔ ایک تراشہ آج بھیج رہا ہوں
امید کہ یہ مضمون آپ جلد ہی بھیج سکیں گے۔ تاکہ میں جولائی نمبر میں اسکو شامل کرسکوں
مئی اور جون نمبر مطبع میں زیر طبع ہیں۔ مضمون میں غلطیاں رہ گئیں اس کی شرمندگی ہے
یقیناً یہاں کے اہل کاروں کی غفلت ہوئی مگر ندامت مجھے ہے اس لیے خواستگار
معافی ہوں۔ آپ صحت نامہ بھیجدیں چھپ جائے گا۔

یہ سنکر کہ پمفلٹ سے ہنس بکڈپو والوں کو نقصان نہیں ہوا۔ قدرے اطمینان
ہوا۔ ورنہ میں اس پر تیار تھا اور اب بھی ہوں کہ اگر گھاٹا آیا ہو تو جس طرح چاہیں اُس
کی ادائیگی کردیں۔

سہیل صاحب نے ایک لمبا چوڑا خط لکھا ہے۔ غالباً آپ کو وہی باتیں لکھی ہونگی
اس لیے وہ خط ملاحظہ کے لیے بھیج رہا ہوں۔ میں کام کی کثرت اور عمر کے تقاضے سے
روز مرہ بدخط ہوتا جاتا ہوں جس کے لیے احباب کی معافی کا مستحق ہوں۔

ملا صاحب کی سب نظمیں اودھ پنچ میں شائع ہوئی ہیں۔ تیج دہلی ہر ہفتہ زمانہ کے
مضامین نظم و نثر بلا حوالہ شائع کرتا ہے۔ کئی دفعہ اسکی طرف توجہ دلا چکا ہوں مگر بے سود۔

حال ہی میں سکت پرشاد صاحب بہ ہوش کو ایک خورد سال بچہ داغ مفارقت
دے گیا۔ اس سال میرے سبھی دوست پریشان ہیں

ہماری زبان کی کاپی میں سنہا صاحب کو بھیج چکا۔ اب میرے پاس کوئی جلد موجود نہیں ہے
بھجوا دیجئے۔ ریویو ہو جائے گا۔

امید کہ آپ اور بچے سب بخیر و عافیت ہوں گے۔

آپکا مخلص
دیا نرائن نگم

خط ۱۸

کانپور ۲۳ر جون ۱۹۴۰ء

میرے محب و مکرم! آپ کے محبت نامے ملے۔ میں نے سہیل صاحب کے نام آپ کا خط دوسرے ہی دن بھیجدیا تھا لیکن وہ رانچی چلے گئے اور اسی وجہ سے انھیں خط جلد نہیں ملا اور انھوں نے آپ کو شکایت لکھ بھیجی۔ اب ان کا خط آیا ہے اور انھوں نے ایک اور لمبا جواب لکھا ہے جو آپ کو بھیج رہا ہوں۔ میں خود اسے تمام وکمال نہیں پڑھ سکا ہوں۔ لیکن ان کے خیالات سے بخوبی واقف ہوں اور ان کے نقطۂ خیال کی قدر کرتا ہوں مگر پورے طور سے متفق نہیں ہوں آپ ایسے ماحول میں ہیں جہاں آپ کو مسلم خطرہ جتنا واقعی ہے اس سے کہیں زیادہ آپ کو نظر آرہا ہے۔ میرے خیال میں ہندوؤں کو مسلمانوں سے اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں جتنا کہ خود اپنے اندرونی جھگڑوں اور اپنی تمدنی کمزوریوں سے۔ یہی ان کے زوال اور پستی کا باعث ہیں اس کا علاج خود ان کے ہاتھوں میں ہے لیکن وہ بالکل غیر منظم ہیں اور اب تک جس قدر کوششیں تنظیم کی ہوئیں یا ہو رہی ہیں ان سب پر دوسروں کا خوف غالب ہے۔ ہم کو اپنا گھر خود ہی درست کرنا چاہیے، اس لیے نہیں کہ ہم کو کسی دوسرے فرقہ پر حاوی ہونا ہے بلکہ اس لیے کہ ہم کو خود آبرو کی زندگی بسر کرنا ہے۔ آخر میں وہی لوگ دنیا میں رہ سکیں گے جو اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض و اتفاق و اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ فرانس کی حالت ہم سب کے لیے سبق آموز ہونا چاہیے۔

صادق[1] کے متعلق سہیل صاحب کی رائے صحیح ہے۔ عبدالماجد کا کریز روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ شیر دکن کا ریویو دیکھا میں نے کل رسالے آپ کے یہاں (ہندو بکڈپو) بھجوا دیے تھے اس لیے یہاں کے کسی اخبار کے پاس نہ بھیج سکا۔

آپ نے ہندوستانی زبان کے مضامین کا پمفلٹ نہ بھیجا۔ میں اپنی کاپی سنہا صاحب کو پٹنہ میں دے آیا تھا۔ شیر دکن میرے یہاں پہلے ہفتہ میں دو بار تبادلہ میں آیا کرتا تھا مگر اب نہیں آتا ہے۔

---

[1] مولانا عبدالماجد صاحب کی ادارت میں نکلنے والا ہفتہ وار اخبار۔

غیر معمولی مصروفیت ختم ہوگئی۔ شروع جون ہی میں یہ کام ختم ہوگیا تھا لیکن گرمی کی شدت نے نیم جان کر رکھا ہے۔ اس دفعہ طبیعت کچھ ایسی سست اور پست ہے کہ خود سے کہیں جانے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ بچوں کے پاس بھی نہیں گیا حالانکہ وہ بچارے بار بار بلاتے ہیں اور ہر ممکن آسائش کا انتظام کرنے کو تیار ہیں۔ میرے ذاتی حالات کے متعلق آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اپنا سب کچھ زمانہ کی نذر کر دیا اور ایک خاندانی مقدمے[۱] نے ہم لوگوں کو بہت نقصان پہونچایا لیکن ایشور کا ہزار ہزار شکر ہے کی عزت و آبرو کی زندگی بسر ہو رہی ہے۔ اندوختہ کی نہ ضرورت ہے اور نہ کبھی خواہش ہوئی۔ کل شاید ایک عزیز کے لیے ایک ضروری کام کے سلسلے میں نینی تال چلا جاؤں۔ ہفتہ عشرہ سے زیادہ قیام کا ارادہ نہیں ہے۔

مہاراجہ صاحب[۲] پر جو مضمون آپ بھجوا رہے ہیں اسے جلد بھیجئے اور اس کے ساتھ ان کی ایک تصویر بھی آخری زمانہ کی بھیج دیجئے تاکہ بلاک بنوا کر مضمون کے ساتھ وہ بھی شائع ہو جائے۔

امید کہ آپ اچھی طرح سے ہونگے اور سب ہی خیر و عافیت سے ہوں گے۔

شری نرائن جی[۳] اور چھوٹے بچے فتح گڈھ گئے ہوئے ہیں۔ آج یا کل واپس آجائیں گے ایک لڑکا آگرہ تبدیل ہو کر گیا۔ باقی حالات بدستور۔

اس نیاز نامے کی اکھڑی ہوئی تحریر قابل معافی ہے۔

ہاں آریہ سماج اور اسلام کی ایک ایک کاپی آریہ سماجی پرچوں کے پاس بھجوا دیجئے۔

آپکا

دیا نرائن نگم

---

[۱] خاندانی جائداد کی وراثت کا مقدمہ جو ۲۰-۱۵ سال تک چلتا رہا۔

[۲] مہاراجہ کشن پرشاد شاد۔

[۳] بڑے صاحبزادے۔

خط ۱۹

پٹنہ ۳۰/ اگست سنہ ۱۹۴۰ء

میرے محب و مکرم! نمستے۔ ۲۸/ اگست کو آپ کا محبت نامہ ملا۔ عرصہ سے انتظار تھا۔ حالانکہ میں خود اس اثنا میں کوئی خط نہ لکھ سکا لیکن کتنی آرزوئیں ہیں جن کی بنیاد ہمارا استحقاق پر ہوتی ہے۔ بہر حال اسی دن شام کو پٹنہ چلا آیا۔ یہاں آکر آپ کا خط "بنام سہیل صاحب" اطمینان سے پڑھا۔ سہیل صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ کل دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ آج آنے کا وعدہ تھا۔ اور آپ کے خطوط بھی لانے کو کہتے تھے۔ لیکن آج صبح سے شام تک انتظار ہی میں کٹا۔ شام کو ان کے یہاں گیا مگر حضرت گھر میں موجود نہ تھے۔ کل صبح واپسی ہے۔ راستے میں دو ایک روز الہ آباد میں ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ ۱۰/ ستمبر کو کانپور پہونچوں گا۔ آپ کی اکثر یاد آتی رہتی ہے۔ الہ آباد میں بھی میرے ایک دوست پر ڈبل حادثہ گذرا۔ اپریل میں بیاہی ہوئی بیٹی مر گئی اور جولائی میں بیوی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رنڈوا ہونا فیشن میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن دل بہلانے کو چاہتا ہے جو کچھ لکھ ڈالوں۔ جب سوچتا ہوں اور کون دن ہوتا ہے جب گھنٹہ دو گھنٹہ اپنی خانہ ویرانی اور دل شکستگی کا خیال نہیں آتا ہے۔ آپ کی مصیبت بھی یاد آتی ہے اور جن آزمائشوں سے آپ کو گذرنا پڑ رہا ہے ان کا خیال آتا ہے تو دل لرز جاتا ہے۔

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

آپ نے نہ اپنا کچھ حال لکھا اور نہ بچوں کا۔ امید کہ سب لوگ اچھی طرح ہوں گے مہاراجہ صاحب پر مضمون کا سخت انتظار ہے جنون صاحب کی غزلیں شائع ہو گئیں اور منشی بھیرون پرشاد صاحب کا مضمون بھی نکل چکا۔ لیکن آپ کہتے ہیں کہ ابتک شائع نہیں ہوا۔ یہ کیا بات ہے۔ میں نے تو کسی پچھلے نمبر میں اسے درج کرنے کو کہہ دیا تھا۔ اب کانپور پہونچکر پھر سے دیکھوں گا۔ مگر میں ابھی تک اسی دھیان میں ہوں کہ وہ درج رسالہ ہو چکا ہے۔ مہربانی کرکے مہاراجہ صاحب کا مضمون ذرا دل لگا کر

نظرِ ثانی کر دیجئے۔ ممکن ہے کہ آپ کو اسے از سرِ نو ہی لکھنا پڑے۔

آپ کا خط پڑھنے کے بعد مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ یہ تمام خط و کتابت زمانہ میں چھاپ دی جائے۔ میرے خیال سے اس میں آپ نے جن شکوک کو رفع کیا ہے وہ تنہا سہیل صاحب کے شکوک نہیں ہیں بلکہ اکثر مسلم احباب کے دلوں میں اسی قسم کے وسوسے اٹھتے رہتے ہیں۔ آج یہاں بھی کئی مسلم احباب اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔

امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

آپ کا
دیا نرائن نگم

خط ۲۰

کانپور ۱۰ ار نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

میرے کرم! نمستے۔ آپ کی محبت کا کہاں تک شکریہ ادا کروں لیکن اپنی حماقت کیلئے بہت پچھتا رہا ہوں۔ آپ نے بڑی تکلیف فرمائی لیکن آٹھ دس پھل بھی صحیح سلامت نہ پہونچ سکے۔ مسافت کی دوری کے علاوہ پیکنگ کا بھی کچھ قصور تھا۔ لیکن ہم آپ کچھ اکسپرٹ تھوڑے ہی ہیں ورنہ پارسل کی تیاری کے بجائے اگر چھا کر ٹوکرے ٹیاؤں میں تشریف آتے تو شاید یہ سانحہ پیش نہ آتا۔ خیر آپ نے جس محبت سے انھیں بھیجا اور اسی محبت کی وجہ سے آپ کو ان کے بھیجنے میں زحمت کے بجائے فرحت ہوئی اس سے میری ندامت میں بہت کچھ کمی ہو گئی ہے۔ بہر حال گھر بھر نے اس محبت کی قدر کی اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ سمجھئے اور یہی آپ کے زحمت کا نعم البدل ہے۔

آپ نے خسر[1] صاحب کی علالت کا حال لکھا ہے۔ میرا خیال ہے آپ کی سسرال آگرہ میں ہے۔ آج کل میرا ایک بیٹا[2] لڑکا وہاں تعینات ہے۔ آجکل تو دورہ پر ہے لیکن وسط دسمبر کے بعد سے آگرہ ہی میں رہے گا۔ اگر آپ آگرہ رہیں اور کچھ اطمینان ہو تو مجھے مطلع

---

[1] ڈاکٹر انو بکار پرشاد صاحب فیروز آباد و آگرہ آپکے خسر تھے۔ [2] شیام نرائن نگم۔

لکھیئے گا میں بھی دو چار دن کے لیے آنے کی کوشش کروں گا۔ سنت پرشاد صاحب سے ملاقات ہوگی اور لطف صحبت رہے گا۔

فوٹو دوسے بلاک بننے کو دیدیئے ہیں۔ حالی کی کوئی تصویر مل سکتی تو خوب ہوتا۔ اس کے بغیر ذرا اچھا نہ معلوم ہوگا۔ ایک خط بھی نقل کررہا ہوں۔ ہوشیار خوشنویس ہے امید ہے کہ آسانی سے چربہ اتار لیگا۔ ایک اور اصل تصویر ہے مگر وہ بلاک کے لئے بالکل بے کار ہے۔ بہر حال بلاک کے بعد یہ سب چیزیں واپس ہوں گی یا زمانہ کو انھیں تبرکاً رکھنے کا حق ہوگا۔ آپ اس کو تقاضے کا درجہ نہ دیجئے گا بلکہ بے تکلفی سے جو مناسب ہو لکھ بھیجئے۔ تعمیل ہوگی۔

خطوط کے بعض حصے چھاپنے کی اجازت مل سکے تو خوب ہو۔ ایک لمبا خط ہے جو خصوصیت سے چھاپنے کے لائق ہے۔ کہیئے تو اس کے بعض حصے نظرانداز کرکے اس کا اقتباس دے دیا جائے۔ مکتوب الیہ کا نام بھی قلمزد ہو سکتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔ اس کے بعد تو غالباً کوئی حرج نہیں رہتا ہے۔ بہر حال آپ کی جو رائے ہو اس کے بموجب عمل کیا جائے۔

آپ نے لڑکی کی علالت کا حال پوچھا ہے۔ مجھے خیال نہیں کہ میں نے پچھلے خطوں میں کیا لکھا لیکن اس وقت بفضلہ سب بچے معمولی طور پر اچھے ہیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ البتہ جولائی گذشتہ میں ایک بندہ زادہ جو اس وقت فرخ آباد میں ڈسٹرکٹ و سیشن جج ہے یکایک بہت بیمار ہوگیا تھا۔ ضعف جگر کی شکایت تھی اس پر پیچش بھی سخت قسم کی ہوگئی رہی ہے۔ چند روز سخت تشویش میں گذارے مگر اب اچھے ہیں اور کوئی تردد نہیں ہے۔ چھوٹے بھائی رائے بہادر رام سرن نگم آج آٹھ دس ماہ سے بیمار ہیں اور علالت کی طوالت اور ان کا روزافزوں ضعف باعث تردد ہو رہا ہے۔ اب کولکتہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شاید مجھ کو بھی کچھ دنوں کے لیے جانا پڑے۔

---

[1] پروفیسر سنت پرشاد ہوش [2] مولانا الطاف حسین حالی [3] کشن نرائن نگم۔

زمانہ و آزاد[1] کے متعلق ایک نوٹ عنقریب دوں گا۔ مگر آپ نے میرے متعلق جو کچھ لکھا حرف حرف صحیح ہے۔ لیکن کیا آپ اسکو پسند کریں گے کہ ان دونوں پرچوں کو بند کر کے جو کچھ ممکن ہو کیا جائے۔ سکون تو ضرور مل جائے گا اور مجھے ذاتی آزادی بھی مل جائے گی لیکن اب بہترین کام کرنے کی صلاحیت بھی باقی رہ گئی ہے یا نہیں۔ یہ دیکھنے اور سوچنے کی بات ہے۔ پچھلے سال کے بعد تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی روح کھو بیٹھا ہوں اور کسی بات میں کوئی انسانی لطف یا حظ نہیں آتا ہے بہرحال شاد باید زیستن یا ناشاد باید زیستن آپ سچ لکھتے ہیں کہ زندگی عجیب معمہ ہے۔

کیا دہلی کے حکیم نابینا صاحب[2] آج کل حیدرآباد میں ہیں مجھے ایک عزیز کے لیے ان کے مشورہ کی ضرورت ہے۔ بعد دریافت مطلع فرمائیں۔ بشریفوں کے لیے ایک مرتبہ پھر شکریہ عرض ہے۔ بچوں کو بہت بہت دعا۔

آپ کا
دیا نرائن نگم

خط ۲۱

کانپور ۱۷ دسمبر ۱۹۴۰ء

مائی ڈیر سوریہ پرتاپ جی۔ تسلیم

میں خود خط و کتابت میں بیقاعدہ ہو رہا ہوں لیکن آپ کی چٹھیوں کا انتظار رہتا ہے اور اگر ہفتہ عشرہ تک کوئی خبر نہیں ملتی ہے تو بار بار خیال آپ کی طرف جایا کرتا ہے لیکن جب خط آجاتا ہے تو دو چار روز کو ضرور اطمینان ہو جاتا ہے اور جواب میں کوشش کے باوجود بھی اکثر دیر ہو جاتی ہے۔ اس دفعہ آپ کا محبت نامہ مہاراجہ صاحب کے گروپ اور جگر صاحب کے خط کی نقل کے ساتھ آیا ہے۔ جگر صاحب کا دوسرا خط آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیج رہا ہوں۔ یہ خط لفافہ میں بند تھا لیکن چونکہ آپ پہلے خط کی نقل بھیج چکے ہیں

---

[1] ہفتہ وار اخبار آزاد۔ [2] دہلی کے مشہور حکیم صاحب

اس لیے میں نے اس چٹھی کو بھی کھول کر دیکھ لیا ہے۔ اس جرأت یا بے ضابطگی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ مگر سچ بات یہ ہے کہ یہ معافی بھی محض تکمیل ضابطہ کی اور تکلف کی بات چیت ہر ان باتوں میں عموماً احتیاط کا عادی ہوں۔ لیکن آپ جس خلوص و محبت سے مجھ سے برابر پیش آرہے ہیں اس کی وجہ سے مجھے اس بے تکلفی میں ذرا پس و پیش نہ ہوا۔ آپ دیکھ لیں گے کہ جگر صاحب کے متعلق میرا خیال غلط نہیں ہے۔ میں ان کا دیرینہ نیازمند اور خیر خواہ ہوں تاہم ان کی نازک دماغی کا شکار ہو ہی گیا۔ لیکن جب آپ لکھتے ہیں ہم کو ان کی نازبرداری کرنا ہوگی۔ اس میں شک بھی نہیں کہ انھیں سرکاری ملازمت میں مسلسل ناکامیوں کا منھ دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ شاید اس وجہ سے بھی مزاج جلد برہم ہو جاتا ہے۔ بہرحال اس دفعہ میرے متعلق ان کی خفگی بالکل حق بجانب ہے۔ واقعی مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ آپ کا خط ان کے پاس اتنے دنوں کے بعد بھیجنے کا ہوش آیا۔ میں خاص خاص چٹھیوں کو اکثر الٹا پلٹا کرتا ہوں اس سے مجھے اپنی غلطی خود ہی معلوم ہو گئی۔ اب میں نے اس کی تلافی یہ کر دی ہے کہ ان کو آپ کا پتہ لکھ دیا ہے۔ ہاں ان کو یہ معلوم نہیں کہ میں ان کا خط پڑھ کر آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ آپ بھی اس کا کچھ ذکر نہ کریں لیکن میں نے انھیں لکھ دیا ہے کہ آپ مجھے انکے پہلے خط کی نقل بھیج چکے ہیں۔ میری رائے میں جس طرح سے ہو سکے ان کی یہ کتاب چھپوا دینا چاہیے۔ میں بھی اپنی طرف سے دس روپیہ پیش کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ اگر آپ ڈاکٹر ایس۔ سنہا صاحب[1] وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی اور پنڈت شیوناتھ کاٹجو ایڈووکیٹ الہ آباد سے انگریزی میں تحریک کریں کہ اس کتاب کا چھپنا ضروری ہے اور اس کا خلاصہ مقصد بھی تحریر کر دیں تو یقیناً پچاس روپیہ کی رقم ان دونوں صاحبوں سے مل جائیگی میں خود ان صاحبوں کو لکھنا نہیں چاہتا لیکن آپ ایک مسودہ بنا لیں اور اس میں یہ بھی لکھ دیں کہ آپ نے اس مسئلہ پر کئی اہم مضامین زمانہ میں لکھے ہیں اور اس کتاب کے چھپانے میں ہم لوگ بھی حصہ لینے کو آمادہ ہیں۔ اگر یہ تجویز پسند نہ ہو تو لکھئے کہ دوسری تجویز

۱؎ شری کرشن سنہا صاحب وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی۔

سوچی جائے۔

مہاراجہ صاحب کا مضمون چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ یہ گروپ ہیں تو بہت اچھے لیکن ان سے تصویریں نکالنے میں قباحت ہو گی اور بلاک بھی اچھا نہ بنے گا۔ عکسی تصویر ہوتی تو اور بات تھی۔ خیر فی الحال اس کا موقعہ نکل گیا لیکن خطوط شائع کرنے کی نوبت آئی تو تصویر بھی چھپ سکتی ہے۔ اگر چند خطوط اور مل جائیں جو بالکل معمولی نہ ہوں بلکہ جن میں کوئی خاص بات ہو خواہ وہ شعر و سخن یا تصوف ہی کے متعلق کیوں نہ ہو۔ تو ان کا خلاصہ شائع کیا جا سکتا ہے۔

مضمون کے متعلق نوٹ کی ضرورت ہو تو آئندہ نمبر میں نکل سکتا ہے۔ اس وقت تو پرچہ چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔

سہیل صاحب بڑی خوبی کے آدمی ہیں۔ ابھی تک وہ کہیں چپک نہیں سکے اس کا واقعی افسوس ہے اور زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ زمانہ اتنے عرصہ کے باوجود بھی اس قابل نہیں ہوا کہ وہ ایک روشن خیال ادیبوں کے بسر اوقات کا ذریعہ بن سکتا۔ سہیل صاحب نے آپ کے خط بھیجنے کا وعدہ کیا ہے لیکن ابھی تک یہ مجموعہ بھیج نہیں سکے۔ اب غالباً جلد ہی بھیج دیں گے۔

آج کل حیدر بخش صاحب دفتر میں پھر آ گئے ہیں۔ اس سے ذرا آرام ضرور ملا ہے پھر بھی کام کی بڑی کثرت ہے۔ زمانہ کے لیے میں خود چکر لگاتا تو آج پرچے کی یہ کس مپرسی کی حالت نہ ہوتی۔ آپ کی وجہ سے حیدر آباد آنے کا تو جی چاہتا ہے لیکن پہلے بھی تین بار حیدر آباد ہو آیا ہوں لیکن میں نے خود ایک خریدار بھی نہیں بنایا۔ ہاں اگر کوئی صاحب اس خدمت کو اپنے ذمہ لیں تو معقول کمیشن بھی لے سکتے ہیں۔ بچوں کا امتحان ہو چکا ہو تو آپ چند دنوں کے لیے یہاں کیوں نہیں تشریف لاتے ہیں۔ اس مرتبہ کرسمس میں اردو کانفرنس بھی کانپور میں ہے۔ احباب کے اصرار کے باوجود میں اس کے کارکنوں میں شامل نہیں ہوں محض تماشائی کی حیثیت سے شریک ہونے کا خیال ہے۔

باقی سب خیریت ہے۔ آپ کی خیر و عافیت مطلوب ہے۔ بچوں کو بہت دعا و پیار۔ سری نرائن جی کا نمستے قبول ہو۔ بندہ دیا نرائن نگم

۱؎ زمانہ کے منیجر

خط ۲۲

کانپور ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۲ء

بھائیجان۔ نمستے۔ کل ایک خط لکھ چکا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں برخوردار کو فی الحال مکان میں روک لوں گا لیکن یہ خیال درست نہیں نکلا وہ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ حیدرآباد جانے پر مصر ہوئے۔ آخر کار شام کو انھیں اسٹیشن بھجوانا پڑا۔ ایشور کرے راستہ آرام کے ساتھ طے ہو جائے اور وہ بخیریت تمام آپ تک پہونچ جائیں۔ آج کل ریلیں نا وقت آرہی ہیں اور راستے میں گڑبڑ کی خبریں بھی معلوم ہو رہی ہیں[1] اسی سے جی ڈرتا ہے اور اسی سے اب بھی فکر ہے۔ سچ یہ ہے کہ جس وقت سے برخوردار گئے ہیں میرا جی انھیں کے ساتھ ہے۔ ایشور محافظ حقیقی ہیں وہی خیر و عافیت کے ساتھ ان کو آپ تک پہونچائیں گے۔

آپ نے کالج اور ہوسٹل کے متعلق جو کچھ لکھا۔ حرف حرف صحیح ہے اسی سے میں کم سن بچوں کو بہت دور رکھنے کے خلاف ہوں لیکن کیا کیا جائے۔ مجبوریاں آجاتی ہیں اور کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا ہے ہوسٹل کے بہت کم لڑکوں کے طور طریقے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن لڑکوں کے ساتھ برخوردار گئے ہیں ان کی بھی یہی کیفیت ہے کہ ہری نرائن نے ان کو دیکھکر کچھ بہت پسند نہیں کیا اور نرائن ملازم جو بھیا کو اسٹیشن تک پہونچانے گیا تھا اس نے بھی ان ساتھیوں کو بہت اچھا نہیں سمجھا۔ بہر حال اس سے کوئی شکایت منظور نہیں ہے صرف آپ کے خیال کی جو آپ نے اپنے پچھلے عنایت نامے میں ظاہر کیا تھا تائید منظور ہے۔ زیادہ تر افسوس اس بات کا ہے کہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے ہماری قومی تعلیم گاہوں میں محض لڑکوں کو امتحانات میں پاس کرانے کا انتظام ہے۔ کیرکٹر درست کرنے یا واقعی قابلیت کو ترقی دینے کا کوئی خیال نہیں ہے۔ بورڈنگ ہاؤسوں کی قطع کرایہ کی مہمان سرائیوں کی ہوگئی ہے۔ لڑکوں کے اخلاقی تربیت کا کسی کو دھیان نہیں۔ مگر یہ کیفیت قریب قریب عالم گیر ہے۔ شاید ہندو یونیورسٹی میں کچھ فرق ہو۔ بہر حال معمولی

---

[1] یہ زمانہ QUIT India کے وقت کا تھا۔

آدمیوں کے لیے ممکن نہیں کہ اپنے لڑکوں کی تعلیم و ترقی کا کوئی دوسرا انتظام کر سکیں۔

براہ کرم برخوردار کے بخیر و عافیت پہونچنے کی فوراً خبر بھیجیے۔ مجھے بڑی فکر ہے اور جب تک آپ کا یا ان کا خط نہ مل جائے گا اطمینان نہ ہوگا۔

یہاں بفضلہ سب خیریت ہے۔ امید کہ آپ خوش و خرم ہوں گے۔

بندہ دیا نرائن نگم۔

بنام حضرت رفیق مارہروی

نینی تال: ۵ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء

میرے مکرم۔ تسلیم ـــــــ آپکے اور سب مضامین ہدیۂ ناظرین ہو چکے ہیں۔ اب صرف ایک مضمون حضرت جگر بریلوی کے متعلق میرے پاس امانت ہے یہ مضمون جن دنوں آیا تھا مجھے ان دنوں سخت اندوہناک حادثوں[1] سے سامنا ہو رہا تھا۔ اسلئے میں اس کے مطالعہ سے محروم رہا۔ وسط جون کے بعد میں چند روز کے لئے نینی تال آگیا اور آپکے مضمون کو بھی لیتا آیا۔ مجھے اس کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ آپنے جیسا لکھا ہے یہ چند صفحات واقعی آپکی عقیدت کے پھول ہیں۔ جگر صاحب میرے محب اور "زمانہ" کے قدیم کرمفرما ہیں۔ انکی اکثر نظمیں اور مضامین نثر بھی شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ مجھکو اس سے زیادہ اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ ان کا دیوان شائع ہو اور اس پر "زمانہ" میں ایک مفصل مضمون ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔ مگر میری رائے ناقص میں، آپکے اس مضمون میں اشاعت کسی قدر قبل از وقت ہوگی بہتر تو یہ ہے کہ دیوان کے ساتھ آپکا یہ مضمون پیش لفظ یا دیباچہ کی حیثیت سے شائع کیا جائے۔ یا آپ کی رائے میں اگر اس کا "زمانہ" میں چھپنا ضروری ہو تو آپ کو کچھ مزید انتظار کرنا ہوگا۔ میرے پاس اس قسم کے اور کئی مضامین دیگر شعرائے حال پر عرصے سے آئے ہوئے ہیں، مجھے پہلے [2] شائع کرنا ہوگا۔ لیکن اگر آپ اسے کسی اور رسالے میں بھیجنا چاہیں تو بے تکلف واپس منگا لیں۔ آپنے

---

[1] اشارہ ہے کہ ان کی بیوی لڑکی اور بھائی کی اموات کی طرف جو دو برسوں یعنی سنہ ۱۹۳۹ء تا سنہ ۱۹۴۱ء کے درمیان واقع ہوئیں۔

[2] منشی دیا نرائن نگم کہیں بھی ہوتے تھے "زمانہ" کے لئے آئے ہوئے مضامین، نظمیں اور غزلیں اور دیگر رشحات ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ انھیں وہ غور و انہماک سے پڑھتے تھے اس کے بعد کاتب کے حوالے کرتے تھے۔ نگم صاحب کی اسی خاص توجہ کا نتیجہ تھا کہ "زمانہ" میں زبان و بیان اور کتابت و طباعت کی غلطیاں نہیں ہوتی تھیں۔

جس دقتِ نظری سے یہ مضمون لکھا ہے وہ بہت قابلِ قدر ہے۔ مجھے یہ دیکھکر واقعی بڑی خوشی ہوئی کہ آپ اپنی ذات سے جناب مخدومی حضرت احسن مدظلہٗ کی روایات قائم رکھیں گے آپکے جو مضامین "زمانہ" میں شائع ہو چکے ہیں قدرداں احباب آپکی تحقیق اور جانفشانی کی داد دے چکے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ ــــــــــــ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میں پرسوں کانپور جارہا ہوں اس لئے جواب میرے مستقل پتے پر عنایت ہو۔

نیازمند۔ دیانرائن نگم

خط (۳)

کانپور: ۳۰ نومبر ۱۹۴۰ء

میرے مکرم۔ آپ کا عنایت نامہ عین انتظار میں صادر ہوا مجھے آپکے والد گرامی کے انتقالِ پُرملال کا بہت ہی افسوس ہوا تھا۔ مگر اس اثنا میں کچھ ایسے تفکرات میں مبتلا رہا کہ آپ صاحبان کی ماتم پرسی بھی نہ کرسکا۔ لیکن یقین جانئے مجھے جناب مرحوم سے خاص عقیدت تھی اور وہ ہمیشہ مجھ سے خاص عقیدت و نوازش سے پیش آتے تھے۔ مجھے سب سے بڑا قلق اس بات کا ہے کہ میں ۳۰ راگست ۱۹۴۰ء کو پٹنہ میں موجود تھا مگر مجھے ان کے وہاں تشریف لیجانے اور انتقال فرمانے کی کوئی اطلاع نہ ملی، ورنہ میں وہیں حاضر ہوتا۔ میں دوسرے دن صبح کی گاڑی سے واپس آگیا اور مجھے کئی روز کے بعد اس سانحہ کا حال معلوم ہوا۔ بہرحال اس سانحہ میں میں آپکے دو بھائی صاحبان اور دیگر عزیزان کے شریکِ حال ہوں خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ صاحبان انھیں کے نقشِ قدم پر چلکر ہر دلعزیز ہوں۔

"زمانہ" احسن لائبریری کے لیے بخوشی جاری کر دیا جائے گا۔ میں نے دفتر میں ہدایت کردی ہے کہ آپکا نام نامی اعزازی فہرست میں درج کرکے پرچہ ہمیشہ بھیج دیا کریں۔ آپ تو زمانہ کے قلمی معاون کی حیثیت سے بھی پرچہ کے مستحق ہیں۔ توسیع اشاعت کی کوشش کا

۱؎ مولانا احسن مارہروی نے ۳۰ راگست ۱۹۴۰ء کو بروز جمعہ ۶ بجے شام کو پٹنہ میں انتقال کیا۔

وعدہ مزید عنایات میں شمار ہوگا۔ آپ شوق سے اپنے مضامین روانہ کرتے رہیں۔ میرا خیال ہے
زمانہ کے آپ صاحبان پر خاص حقوق ہیں۔ اپنی کتاب[۵] کے بھی ضروری اجزا مکمل مضامین کی
حیثیت سے شائع ہونے کے لیئے بھیج دیں۔ پوری کتاب بہ اقساط شائع ہونا تو آپ کے نقطۂ خیال
سے اور نہ رسالہ کی نظر سے مناسب ہوگا۔ میرے خیال میں آپ مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن اردو
دہلی سے تحریک کریں تو یقیناً وہ اسے شوق سے انجمن کی طرف سے چھاپ دیں گے۔
غزلیات مرسلہ کا شکریہ قبول فرمائیے۔ انشاءاللہ جلد شائع ہوں گی۔ امید کہ مزاج مبارک
بخیر ہوگا ——————— نیازمند

بندہ دیا نرائن نگم

---

[۵] "ہندوؤں میں اردو"

بنام جگر بریلوی

کانپور۔ ۲۶ فروری ۱۹۴۲ء

مکرمی تسلیم۔ آپکے نوازش نامے ملے۔ مضمون بھی موصول ہوا۔ آپکی ہمدردی[1] کا دلی شکریہ۔ ابھی تک طبیعت ٹھکانے پر نہیں آئی ہے۔ جنوری نمبر بھی سخت بے اطمینانی کی حالت میں تمام ہوا ہے کہ فروری کے پرچے کا بھی یہی حال ہے۔ آخری کاپیاں کلکتے سے ہدایت پر تیار کی گئی تھیں۔ چنانچہ معذرت کے عنوان سے جو نوٹ درج ہے اس کی سطروں میں بھی کئی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مدہوش صاحب کے اشعار بھی غلط چھپ گئے ہیں۔ میری توجہ بھی اس طرف نہیں گئی تھی اور کسی ذمہ دار شخص کو دکھائے بغیر یہ رباعی درج ہوگئی ہے۔ آپ کا اعتراض اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ میں اس توجہ فرمائی کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ آئندہ پرچے میں تصحیح ہوجائے گی۔ پہلے مصرعے میں "بیٹھے ہو اور نہیں" کی جگہ "عبث اداس" ہونا چاہئے۔ تیسرا مصرعہ بھی صریحاً غلط ہے "ظلمات کے آگے آگے کیا نہیں آب حیات ہونا چاہئے"۔ بہرحال آپ کی تحریر سے ایسی صریح و فاش غلطی کی اب تصحیح ہوجائے گی۔

آپ کا مضمون زمانہ مارچ میں اس عنوان پر اور کئی مضامین کے ساتھ لکھا جارہا ہے آپ نے جس تحقیق سے مضمون لکھا ہے اس کے لیے میں دلی مبارکباد دیتا ہوں جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ پنشن لے کر کانپور چلے آئیے اور ملک کی ادبی خدمت میں لگ جائیں۔ آپ اس کے اہل ہیں۔ مجھے یہ دیکھکر کہ آپ کی تمام صلاحیت ایسے محکمے میں صرف ہورہی ہے جہاں اس کی کوئی پرسش نہیں ہے۔ ہمیشہ افسوس ہوتا ہے

---

[1] جگر بریلوی نے منشی دیانرائن نگم کو ان کے بھائی کے انتقال پر تعزیتی خط لکھا تھا۔

لیکن ملک کی ناقدری سے طبیعت اتنی پست ہو گئی ہے کہ آپ کے موجودہ مشاغل کو ترک کرنے کا مشورہ دینے کی ہمت نہیں پڑتی ہے۔

۱۲ اپریل کو ریڈ کراس کے سلسلے میں زبردست مشاعرہ ہو رہا ہے امید ہے آپ اس میں ضرور شرکت فرمائیں گے۔ باضابطہ نوید بعد کو حاضر ہوگا۔

امید کہ مزاج مبارک بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

بندہ دیا نرائن نگم

بنام جگدیش سہائے سکسینہ

کانپور
۱۲؍مئی ۱۹۴۱ء میرے مکرم تسلیم مجھے افسوس ہے
کہ میں آپ کے عنایت نامہ کا اب تک نہ جواب دے سکا اور نہ ہی آپ کی نظم کا شکریہ ادا کر سکا۔ آخر اپریل میں تو یہاں مشاعرہ کا قصہ تھا، اول ہفتہ مئی میں مجھے پٹنہ اور بنارس جانا ہوا۔ بہرحال اس دوڑ دھوپ میں جواب عنایت نامہ میں اتنی دیر ہوگئی، معاف فرمایئے گا۔

نظم خوب ہے البتہ میرے ایک دوست آپ کے تیسرے شعر لب آب کوثر کبھی پی لکھی ہیں نے"۔ وہی ہے میرے سر میں کیف شبانہ" پر یہ حاشیہ آرائی کرتے ہیں کہ لب آب کوثر مرنے کے بعد ملتا ہے لیکن میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ اول تو یہ ایک معمولی محاورہ ہو گیا ہے کہ آپ کی زبان آب کوثر سے دھلی ہوئی ہے دوسرے ہم لوگ جو تناسخ کے قائل ہیں ان کو کتنی ہی دفعہ آب کوثر نصیب ہو چکا ہو گا۔ دوسرے آخری بند کے پہلے مصرعہ میں "جہاں جب تلک بنے میں گاتا رہوں گا" لفظ تلک کھٹکتا ہے خیر یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اکثر شاعر متروک الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ بہرحال میں نے یہ دونوں باتیں اس لیے گوش گذار کر دی ہیں کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس مصرعہ کو بدل دیں ورنہ مطلع فرمائیں کہ بجنسہٖ اسی طرح نظم کو شائع کر دوں مجھے آپ کی نظم بہت پسند آئی اور میرے دوست بھی جو خیر سے مسلمان ہیں اسے بہت پسند کرتے ہیں۔

امید کہ مزاج مبارک بخیر و عافیت ہو گا۔ میں کل صبح مہینہ سوا مہینہ کے لیے راجپور (دہرہ دون) جا رہا ہوں۔ لیکن کانپور سے میرے نام کی چٹھی ڈاک سے برابر ملتی رہے گی۔ بقیہ سب خیریت ہے۔

بندہ دیانرائن نگم

بنام یحییٰ تنہا

کانپور ۵ر جنوری ۱۹۴۲ء

میرے مکرم تسلیم عرض! عرصہ ہوا کارڈ گرامی آیا تھا۔ ان دنوں عزیزی حسن یحییٰ صاحب کانپور میں ہی تھے۔ آپ کے پرسش حال اور دعائے خیر کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں اس خط کے لکھنے میں کچھ تو سستی اور کچھ بے بسی کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ جس کی معافی چاہتا ہوں۔ عزیزی حسن یحییٰ صاحب کے ذریعہ پہلے بھی عذر خواہی کر چکا ہوں۔ مجھ کو اور میرے یہاں کے سب لوگوں کو عزیز موصوف کے کانپور سے چلے جانے کا افسوس ہے لیکن اب وہ آپ کے اور اپنی والدہ ماجدہ کی نگاہوں کے سامنے رہیں گے۔ اس سے دلی اطمینان ہے۔ یہاں ان کے آرام و آسائش کا کوئی انتظام نہ تھا۔ میری علالت کی وجہ سے بھی کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا لیکن وہ ہم لوگوں کے درمیان بالکل شیر و شکر ہو کر رہے یہی وجہ ہے کہ ہم سب لوگ ان کو اس قدر یاد کرتے ہیں۔ در اصل اپنے چند روزہ قیام کانپور کے دوران میں انھوں نے ہم لوگوں کی پرانی رفاقت اور ادبی دوستی کو بہت گہری بنا دیا ہے۔ خدا کرے وہ آپ بزرگوں کے زیر سایہ رہ کر خوب پھلیں پھولیں۔ عرصہ سے آپ نے زمانہ کے لیے کچھ نہیں لکھا ہے۔ ممکن ہو تو اپنی فرصت میں اس کے لیے کوئی نہ کوئی مضمون تحریر فرما دیں۔ امید کہ آپ مع اہل و عیال بخیر و عافیت ہوں گے۔ بچوں کو دعا۔

نیاز مند قدیم
بندہ دیا نرائن نگم

بنام فاروق محشر بدایونی کے نام

۶ر اپریل ۱۹۴۲ء

مکرمی! نوازش نامہ مع نظم مل کر باعثِ شکریہ ہوا تھا۔ شکریہ اور جواب میں جو تاخیر ہوئی اس کے لیے خواستگار معافی ہوں۔ آپ کی عنایت اور توجہ کا شکر گزار ہوں آپ کی نظم مجھے بہت پسند آئی اور اب میں اُسے زمانہ میں شاعت کیلئے کاتب کو دے رہا ہوں زمانہ کو آپ جیسے سرگرم مددگاروں کی خاص ضرورت ہے۔ میں بھی اِس مرحلہ پر پہونچ چکا ہوں کہ دو ایک نوجوان دوستوں کی امداد کا محتاج ہوں۔ امید کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔

نیازمند

دیانرائن نگم۔ ایڈیٹر زمانہ

خط ۲

۱۳ر اپریل ۱۹۴۲ء

مکرمی! آپکا نوازش نامہ مورخہ ۱۰ر اپریل موصول ہو کر باعث شکریہ ہوا۔ مجھے آپ کی ذات سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے جس سے مزید شناسائی کو جی چاہتا ہے۔ آپ خاندانی شاعر ہیں۔ میری صاف گوئی معاف فرمائیے گا اگر میں یہ کہوں کہ اردو کے بڑے بڑے شاعروں میں بھی باقاعدہ کام کرنیکی اہلیت نہیں ہے۔ اس واسطے جب کام کرنیوالوں کی بابت خیال کرتا ہوں تو شاعروں کے متعلق دل میں بدگمانی سی پیدا ہونے لگتی ہے آپ اس کو اپنے اوپر محمول نہ کیجئے گا۔

نیازمند دیانرائن نگم

خط ۳

۹ ستمبر ۱۹۴۲ء

مکرمی تسلیم! آپکی نوازش نامہ، نظم "مورخ اور شاعر" موصول ہو کر باعث شکریہ ہوا۔ نظم ہر نہج سے پسندیدہ ہے۔ میں اُسے عنقریب شکریہ کے ساتھ درج رسالہ کرونگا۔ مجھے افسوس ہے کہ زمانہ جون ۴۲ء جس میں آپکی نظم چھپی ہے آپ کو نہیں ملا۔ اب اسکی کاپی آپ کو مکرر رسید ڈاکخانہ سے بھیج رہا ہوں۔

نیازمند، دیانرائن نگم

خط ۴

۱۵ ستمبر ۱۹۴۲ء

مکرمی! آپکا کارڈ ملا کر باعثِ شکریہ ہوا، اثر لکھنوی پر اپنا مضمون ضرور بھیجئے، فانی[1] کا مضمون بھی مجھ کو پسند آیا تھا۔ میں آپ کی ادبی کاوشوں کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ نظامی[2] صاحب نے بھی آپ کا بہت اچھے الفاظ میں ذکر کیا تھا۔

نیازمند: دیانرائن نگم

۱؎ فانی بدایونی۔ ۲؎ نظامی بدایونی

بنام عبدالرزاق قریشی

کانپور۔ ۸ اپریل ۱۹۴۲ء

میرے محب مکرم۔ تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ موصول ہوکر باعث شکریہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ آپ کے لطف وکرم کی یاد ابھی دل سے محو نہیں ہوئی ہے اور میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ کے لطف وکرم کی یاد کبھی محو نہ ہوگی۔ بمبئی میں آپ جیسے مخلص کرم فرماؤں کی وجہ سے مجھے علالت بھی ناگوار نہیں ہوئی۔ مکرمی نجیب اشرف ندوی[1] کی بھی اکثر یاد آتی ہے۔ اور سدرشن[2] صاحب، برنی[3] صاحب اور محمود اسرائیلی[4] صاحب غرضیکہ جملہ احباب کو وقتاً فوقتاً یاد کرلیتا ہوں۔ سب صاحبوں نے میرے ساتھ جس اخلاص ومحبت کا برتاؤ کیا اس کا گہرا نقش دل میں موجود ہے۔ اب تو جنگ بالکل ہندوستان کے دروازے تک آگئی ہے بمبئی کی کیا کیفیت ہے؟ کلکتہ تو بہت کچھ خالی ہوچکا ہے۔ آپ صاحبان نے کیا انتظام کیا ہے۔ سب حالات مفصل طور پر تحریر فرمائیے۔ میرا جی لگا ہوا ہے۔ دسمبر سے لکھنے پڑھنے کی اجازت مل گئی ہے۔ آنکھ کا نقص تو رفع ہوگیا ہے اور بینائی بھی بہت کچھ آگئی ہے لیکن اصلی حالت ابھی واپس نہیں ہوئی ہے تاہم مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے اور یہی کیا کم غنیمت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ٹھاکر صاحب نے خط وکتابت میں ڈھیل دی ہے۔

---

١ سید نجیب اشرف ندوی مشہور محقق اور انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر تھے
٢ پنڈت بدری ناتھ سدرشن منشی پریم چند کے معاصر ناول نویس اور افسانہ نگار ہیں ٣ ضیاء الدین برنی کراچی کے ماہنامہ کتابی دنیا کے ایڈیٹر تھے۔ پہلے بمبئی میں مقیم تھے ٤ محمود اسرائیلی صاحب آرزو لکھنوی کی ادارت میں نکلنے والے ہفتہ وار اخبار نظام سے وابستہ تھے

سلطان حسین صاحب کو عنقریب خط لکھواؤں گا۔ مشکل یہ ہے کہ اس وقت کاغذ کا قحط پڑا ہوا ہے گراں قیمت پر بھی وقت پر دستیاب نہیں ہوتا۔ مارچ نمبر کب کا مکمل ہو گیا تھا کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے اسکی اشاعت رُکی رہی۔ اپریل نمبر بھی بیشتر مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے لیے تھوڑا کاغذ تو موجود ہے مگر کچھ اور لینا ہے۔ آج کل چھوٹے کارخانے اور معمولی پرچے سخت مصیبت میں ہیں۔ کانپور میں لطف یہ کہ نرخ سرکاری طور پر مقرر ہو گیا ہے۔ لیکن کاغذ دستیاب ہی نہیں ہوتا جن لوگوں کے پاس تھوڑا بہت اسٹاک موجود ہے وہ خدا معلوم کس امید پر چھپائے ہوئے ہیں۔

آپ کا مضمون زمانہ جنوری میں شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ ادھر کوئی خاص چیز تیار ہوئی ہو تو ضرور مرحمت فرمائیے۔

آپ نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا ہے جس سے تردد لاحق ہے۔ مہربانی کر کے مفصل حالات لکھیے کہ رفع تشویش ہو۔ آپ کے یہاں کا کیا دستور ہے؟ آپ کی اکیڈمی گرمی کے موسم میں کھلی رہتی ہے؟ بہر حال آپ بمبئی ہی میں رہیں گے یا باہر جانے کا قصد ہے۔ امید کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔

آپ کا مخلص

دیا نرائن نگم

خط (۲)

کانپور۔ غالباً جولائی ۱۹۴۲ء

میرے محب و مکرم تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ ملا۔ آپ کی شکایت[1] سر آنکھوں پر لیکن آپ کو فراموش کرنا آسان نہیں۔ آپ کے پچھلے نوازش نامے کے بعد

---

[1] مرحوم عبدالرزاق قریشی نے منشی دیا نرائن نگم کو خط لکھا تھا کہ اس کا جواب ملنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی تو قریشی مرحوم نے دوبارہ خط لکھا اور اس خط میں بھول جانے کی شکایت کی۔ جناب قریشی صاحب اور منشی دیا نرائن نگم کے درمیان مخلصانہ رشتہ اس وقت قائم ہوا جب وہ اپنی آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں ڈاکٹر بناجی کے اسپتال میں داخل ہوئے۔

نہ معلوم کتنی بار آپ کی یاد آئی۔ لیکن آپنے لکھا تھا کہ ہمارا مدرسہ ۱۸ اپریل سے بند ہو رہا ہے اور ۱۸ اپریل کو ہی آپ کا عنایت نامہ مجھے ملا۔ آپنے گھر کا پتہ اس میں نہیں لکھا تھا ورنہ اتنے دنوں آپ سے بے خبر نہ رہتا۔ آپ نے انگزیما کی تکلیف اور آنکھوں کی خستگی کا حال لکھا تھا اس لیے آپ کی طرف سے متردد اور پریشاں خاطر رہا۔ امید کہ اب دونوں تکلیفیں رفع ہو گئی ہوں گی اور آپ بدستور شوق اور انہماک کے ساتھ کام کر رہے ہوں گے۔

زمانہ کیلئے بھی کچھ لکھا یا نہیں؟ مجھے انتظار ہے۔ بمبئی تو چشم بد دور پھر آباد[1] ہو گیا ہے اور امید تو یہی ہے کہ فی الحال کوئی خطرہ نہیں۔ ٹھاکر صاحب[2] جون سے گھر گئے ہوئے ہیں اس وقت تک ان کے قائم مقام کا کوئی انتظام نہیں کیا لیکن اب مجبوراً کوئی نہ کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔ امید کہ آپ خوش و خرم ہوں گے۔

آپ کا محب و مخلص
دیانرائن نگم

خط (۳)

کانپور اگست ۱۹۴۲ء

میرے محب و مکرم! ——— تسلیم و نیاز۔ آپکا کارڈ خوشی اور شکریہ کا باعث ہوا تھا۔ جولائی کے ہمایوں[3] میں آپ کا افسانہ بھی دیکھا خاصہ دلچسپ ہے۔ آپنے اُسے زمانہ کیلئے لکھا تھا تو اب اسکی تلافی کے لیے کوئی اور خاص چیز بھیجیے۔ اس وقت کاغذ کی نایابی نے پریشان کر رکھا ہے۔ جولائی کا پرچہ آج روانہ ہو رہا ہے وہ بھی بہ حالت زار۔ ٹائٹل کا کاغذ ہی نہیں ملا۔ پہلے کے کچھ دستے باقی تھے وہ دو سو کاپیوں میں کام آئے۔ باقی ہلکے کاغذ پر چھاپنا پڑا۔ کانپور میں خاص قباحت ہے اور اس وقت تو بازار ہی بند ہے

---

[1] سید نجیب اشرف ندوی، مولانا شہاب مالیر کوٹلوی اور پنڈت بدری ناتھ سدرشن وغیرہم کے بمبئی میں آکر قیام پذیر ہونے کی طرف اشارہ ہے [2] ٹھاکر خیدر بخش سنگھ

[3] ماہنامہ ہمایوں لاہور۔

دیکھیے کیا شادی ہے۔

آپ کا قصہ پہلے اس لیے نظر نہیں پڑا کہ بمبئی سے واپسی کے بعد رات کا پڑھنا ایک قلم بند ہو گیا۔ دن میں کچھ وقت اخباروں کے لیے وقف رہتا ہے، کچھ ملاقاتیوں کی نذر ہو جاتا ہے اور کچھ زمانہ واز ادکے کاموں میں صرف ہو جاتا ہے اس لیے جنرل ریڈنگ کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے۔ شیخ و برہمن پر ایک مختصر سا ریویو یہاں بھی لکھا گیا ہے اس لیے اگر آپنے اسے ختم نہیں کیا ہے تو اب نہ لکھیے کسی اور کتاب پر ریویو کر دیجئے اور اگر ریویو ختم ہو چکا ہے تو بھیج دیجئے میں اُسے شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔

مکرمی پروفیسر نجیب اشرف ندوی صاحب کو سلامِ شوق عرض کر دیجئے گا۔ آپ صاحبان کی اکثر یاد آتی ہے۔ آپ بمبئی میں ہیں آنکھوں کے متعلق ڈاکٹر بناجی سے مشورہ کر لیجئے اور اس کے بموجب علاج کیجئے۔ رات کے وقت آپ بھی پڑھنا بہت کم کر دیجئے۔

امید کہ مزاجِ مبارک بخیریت ہوگا۔

آپکا نگم

لہ اعظم کریوی کے افسانوں کا مجموعہ۔

تذکرۂ مکتوب الیہم

مولانا احسن مارہروی

مولانا احسن کا اصل نام علی احسن اور عرفیت شاہ میاں تھی۔ ۲۲ر شوال ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں مارہرہ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام سید مجتبیٰ احسن تھا مولانا احسن کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

" سید علی احسن بن سید مجتبیٰ احسن بن سید محمد اکبر بن سید نجات بخش نخیر صاحب بن سید شاہ امام گدا بن حضرت سید شاہ نجات اللہ قدس سرہ کارخورد۔ بن سید شاہ برکت اللہ المقلب، بہ صاحب البرکات "

سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں مولانا احسن مارہروی مرحوم اپنے والدین کے ساتھ حج بیت اللہ تشریف لے گئے تھے حج ہی کے دوران ان کی والدہ ماجدہ کا جدہ میں انتقال ہو گیا اور وہیں دیار کعبۃ اللہ میں مدفون ہوئیں اور والد واپسی حج کے بعد بمبئی میں ۱۳ر دسمبر ۱۸۹۳ء کو جاں بحق ہوئے۔ بمبئی ہی میں سوناپور قبرستان میں انھیں سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا احسن کی ابتدائی تعلیم ان کے خاندانی مکتب درگاہ برکاتیہ میں ہوئی یہاں انھوں نے اپنی عمر کے نویں سال میں پورا قرآن حفظ کیا اس کے بعد وہ دیگر علوم و فنون کی طرف راغب ہوئے۔

مولانا احسن صاحب مرحوم و مغفور ۱۸۹۴ء میں فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ یوں تو حضرت داغ دہلوی کے ہزاروں تلامذہ تھے اور ان میں اکثر کو بڑی شہرت و مقبولیت نصیب ہوئی۔ لیکن حضرت داغ مولانا احسن سے جس قدر متاثر ہوئے اور جتنی قدر و منزلت انکی کی وہ ان کے کسی دوسرے شاگرد کے حصے میں نہ آئی۔ حضرت داغ دہلوی کا مولانا احسن سے یہ قلبی لگاؤ اور انس ممکن ہے مولانا کی خاندانی فضیلتوں کے باعث رہا ہو، اس لیے کہ مولانا احسن مارہروی ہندستان کے پیرزادوں کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور عرصہ دراز سے ان کے یہاں پیری مریدی کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت داغ دہلوی کے دل میں مولانا کی کس درجہ عزت تھی اس کا اندازہ داغ کے اس قطعے سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

سید احسن جو مرے دوست بھی شاگرد بھی ہیں
جن کو اللہ نے دی فکر رسا طبع رسا
شعر کے حسن و قبائح جو انھوں نے پوچھے
ان کی درخواست پر ایک قطعہ یہ برجستہ کہا

داغ دہلوی کی صحبتوں اور ان کی خاص توجہات نے مولانا احسن کی ادبی صلاحیتوں کو بھرپور جلا بخشی نتیجے کے طور پر کیا نثر اور کیا نظم ہر میدان میں انھوں نے اپنے قلم کا زور اور فکر و فن کی بلند پروازیاں دکھانا شروع کر دیں۔ اور بہت جلد نظم و نثر میں انھوں نے اپنا منفرد مقام بنا لیا۔

مولانا احسن مارہروی نے اگرچہ شاعری کی تمام صنف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن غزل گوئی میں انھوں نے نمایاں کمال دکھایا۔ ان کی غزلیں بلند فکری اور شستہ اسلوب کا نمونہ تو ہیں ہی لیکن ان کی غزلوں میں زبان کا بھی بڑا لطف و کیف پوشیدہ ہے۔ مولانا احسن کی غزلوں کے یہ اوصاف یقینی طور پر فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کی شاعری کے اثرات کا نتیجہ کہے جا سکتے ہیں۔

حضرت جوش ملسیانی نے "احسن الکلام" کے دیباچے میں بجا طور پر لکھا ہے کہ انکی (مولانا احسن) خوش بیانی و تر زبانی کا بڑا میدان غزل ہے لیکن غزل کے علاوہ دوسری اصناف سخن میں بھی وہ ویسے ہی شیوہ بیان ہیں جیسے غزل میں۔

شاعری کی طرح ان کی نثری تحریریں بھی بڑی گراں قدر اور صاف و ستھری ہوا کرتی تھیں۔ انھوں نے مختلف قسم کے عنوانات پر مقالات و مضامین قلمبند کیے ہیں انھیں علمی و ادبی حلقوں میں وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

مولانا نے نثر و نظم میں کئی تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ تحسین اور اردو لشکر"، "کسوف الشمس"، "قوم کا مطالبہ"، "کارنامۂ غم"، "احسن الکلام"۔ "جلوۂ احسن"، "چند منظوم"، اور شاہکار عثمانی وغیرہ ان کی نظم سے متعلق تصانیف ہیں۔ انھوں نے بہت ساری کتابوں کی ترتیب و تدوین بھی کی ہے جن میں "مجمع البرکات"، "قصائد شاہ عالم"، "یادگار داغ"، "کلیات ولی"، "تحفۂ احسن"، "منتخب داغ"، "انشائے داغ" وغیرہ بہت اہم ہیں۔

مولانا احسن ایک استاد کی حیثیت سے بھی بہت کامیاب رہے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۸ء تک مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر کے انھوں نے کام کیا۔

انھوں نے دو شادیاں کی تھیں پہلی بیوی سے جناب سید محمد احسن، جناب سید سعید الحسن کیپٹن ڈاکٹر اصنام احسن اور جناب سید احسن تھے۔ دوسری بیوی سے سید رفیق مارہروی تھے جو کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

مولانا احسن عمر کے اخیر دنوں میں ایک مہلک بیماری کا شکار ہو گئے تھے ۱۸ر اگست ۱۹۴۰ء کو ان کے صاحبزادے حافظ سید سعید احسن انھیں بغرض علاج پٹنہ لے گئے لیکن مرض چونکہ پوری طرح حاوی ہو گیا تھا اس لیے وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے اور پٹنہ ہی میں ۳۰ر اگست ۱۹۴۰ء کو جمعہ کے روز انتقال کیا۔

سید اظہار الحسن

سید محمد اظہار الحسن غازی آباد کے رہنے والے تھے، بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت کے امتحان میں بیٹھے اور بخیر و خوبی کامیاب ہوئے۔

وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد غازی آباد ہی میں وکالت شروع کی جو دھوم سے چلی اور بہت جلد علاقے کے اچھے وکلا میں شمار ہونے لگے۔ سید اظہار الحسن صاحب ایک اچھے مضمون نگار بھی تھے انھوں نے درجنوں عمدہ اور کامیاب مضامین وقت کے مقتدر رسائل میں لکھے جو عام طور سے پسند کیے گئے۔ زمیندار لاہور میں ان کے کئی مضامین میری نظر سے گذرے زمانہ کے جون ۱۹۳۸ء کے شمارے میں انھوں نے برق دہلوی پر طویل و بسیط مضمون لکھا۔ مہاراج بہادر برق کی شخصیت اور شاعری کے سمجھنے میں اس بسوط مضمون سے بڑی مدد ملتی ہے اس کے علاوہ زمانہ کے مارچ ۱۹۴۱ء کے شمارے میں انھوں نے ایک مضمون بعنوان "صحیح اردو" سپرد قلم کیا یہ مضمون بھی اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے بہت کارآمد قرار دیا جا سکتا ہے۔

سید محمد اظہار الحسن نے ایک طویل مدت تک زمانہ کی قلمی معاونت کی منشی دیا نرائن نگم کے وہ قریبی دوستوں میں تھے۔ منشی جی کی فرمائش پر انھوں نے جو قابل قدر مضامین لکھے انھیں زمانہ کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے۔

بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی

نام بشیشور پرشاد اور تخلص منورؔ تھا۔ ان کے والد منشی دوارکا پرشاد افقؔ لکھنوی، دادا منشی پورن چندر ذرّہؔ اور پردادا منشی ایشور پرشاد شفائیؔ سب کے سب شاعر تھے۔ اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے، کہ ان کے خاندان میں کئی پشتوں تک شعر و شاعری کا چرچا تھا ان کے ننہال میں بھی کئی شاعر گزرے ہیں۔ منور لکھنوی کے ماموں منشی جگدیش پرشاد قیصرؔ لکھنوی بڑے پرگو شاعر تھے اور لکھنؤ کی بزم شعرا میں اپنا مقام رکھتے تھے۔ منور لکھنوی کے دو چچا منشی رام سہائے تمنا اور منشی ماتا پرشاد نیستاں کی شاعری کا بھی بڑا چرچا رہا۔ منشی بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی کی شادی جس گھرانے میں ہوئی وہاں کا ماحول بھی شاعرانہ تھا۔ ان کے خسر منشی لچھمن پرشاد صدرؔ لکھنوی کے نام سے کون ہے جو واقف نہیں ہے "چمنستان سخن" ان کا مجموعہ کلام ہے "گنجینۂ صدر" اور "سدا ما منقوط" وغیرہ اہم کتابوں کے آپ مصنف تھے۔

منورؔ لکھنوی ۸ جولائی ۱۹۱۳ء کو پورے سولہ برس کے تھے اس سے پانچ ماہ پیشتر ان کے بڑے بھائی بابو رام شنکر پرشاد انتقال کر چکے تھے وہ تفریح کے اڈیٹر اور اخبار اودھ کے اسسٹنٹ اڈیٹر تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی منور لکھنوی کو اودھ کے عملے میں شامل کر لیا گیا۔

منورؔ لکھنوی نے کم عمری میں ہی شاعری شروع کر دی تھی ایسا شاید انھوں نے اپنے گرد و پیش کے شاعرانہ ماحول سے متاثر ہو کر ہی کیا ہوگا۔ ۱۴ سال کی عمر میں انھوں نے ایک شستہ غزل کہی جس کے دو شعر حسب ذیل ہیں۔

میرے اعمال کی الٹی وہ سزا دیتے ہیں
میں جو مرتا ہوں تو پھر مجھ کو جلا دیتے ہیں
یہ ستارے یہ غبارے یہ شرارے یہ حباب
اور یہی ہستیٔ فانی کا پتہ دیتے ہیں

منور لکھنوی کی مذکورہ غزل رسالہ ترجمان لاہور کے جولائی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں شائع کی گئی تھی۔ منور لکھنوی کے شاعرانہ ذہن کو بنانے اور سنوارنے میں ان کے گھر کے ادبی ماحول نے تو رول ادا کیا ہی تھا لیکن ان کے استاد نوبت رائے نظر کی خصوصی توجہ نے سونے پر سہاگا کا کام کیا۔

۱۹۱۶ء سے ۱۹۳۲ء کی درمیانی مدت میں منور لکھنوی نے اپنے چچا نادر الشعرا منشی رام سہائے تمنا کے رسالہ دربار کا حصہ نظم مرتب کیا کچھ دنوں تک انھوں نے منشی شیو نرائن بھٹناگر کے رسالہ وطن میں مزاحیہ کالم بھی لکھا۔

منور لکھنوی اپنے والد کی طرح کٹر سناتن دھرمی واقع ہوئے تھے، کھانے پینے کے معاملے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے یہاں تک کہ اگر سبزی میں پیاز کا استعمال ہو جاتا تو سبزی کو ہاتھ سے نہ چھوتے لیکن ۱۹۳۶ء میں ان کی عادت میں تھوڑی سی تبدیلی رونما ہوئی اسی سال میں منشی پریم چند جامعہ ملیہ میں مہمان کی حیثیت سے گئے، وہاں ان کے استقبال میں تقریب منعقد کی گئی۔ منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی بھی اس تقریب میں شریک تھے پتہ نہیں منشی پریم چند سے متاثر ہو کر یا اپنی عادت کو غیر منصفانہ اور بے ہنگم سمجھ کر مسلمانوں کے دسترخوان پر پہلی دفعہ وہ بیٹھے اور شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

منور لکھنوی اول درجے کے شعرا میں شمار کیے جاتے تھے "نوائے کفر" "ادائے کفر" اور "کائنات دل" وغیرہ ان کی نظموں غزلوں اور رباعیات کے مجموعے ہیں۔ بھگوت گیتا، گیت گووند، چار وید، گیتا نجلی، مثنوی اسرار خودی، رباعیات عمر خیام اور غزلیات حافظ وغیرہ کے انتہائی خوبصورت اور سلیس ترجمے بھی انھوں نے کیے ہیں جنھیں شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب

ضلع اناؤ میں ایک قصبہ ہے نیوتنی، مرحوم پروفیسر مسعود حسن رضوی اسی قصبے کے ایک معزز سادات گھرانے میں ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے تھے اس وقت کے دستور کے مطابق عربی اور فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مغربی علوم و فنون کی تحصیل کے لیے انھوں نے کالج میں داخلہ لیا تعلیم کی تکمیل کے بعد کچھ دنوں کے لیے انھوں نے ایک سرکاری ملازمت بھی کی لیکن سرکاری ملازمت میں ان کا دل نہ لگا انھیں تو علم و ادب سے شغف تھا لہذا علم و ادب کے ذوق و شوق کی تکمیل کے لیے انھوں نے لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو فارسی استاد کی جگہ پر اپنا تقرر کروالیا۔

لکھنؤ یونیورسٹی میں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے ایک طویل عرصے تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیے یونیورسٹی کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ان کا تصنیف و تالیف کا کام بھی بہر صورت چلتا رہا لیکن جب ملازمت سے انھیں سبکدوشی مل گئی تو اس کام میں وہ ہمہ وقتی طور پر مصروف ہو گئے اور چند انتہائی اہم اور گراں قدر کتابیں اردو زبان کو دیں۔

مسعود حسن مرحوم کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست خاصی طویل ہے۔ "ہماری شاعری" "لکھنؤ کا شاہی اسٹیج" "لکھنؤ کا عوامی اسٹیج" "آبحیات کا تنقیدی مطالعہ" "اردو زبان اور اس کا رسم الخط" "شمالی ہند میں اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر" اور "آئینۂ سخن فہمی" اور "مطالعۂ انیسیات" وغیرہ ان کی ایسی تصنیف ہیں جن پر ہماری زبان کو فخر ہے، جہاں تک ان کی تالیفات کا تعلق ہے ان میں "فرہنگ امثال" "متفرقات غالب" "رزم نامۂ انیس" وغیرہ کافی مقبول اور اہم ہیں، ان کی مرتب کردہ کتب میں "روح انیس" "شاہکار انیس" "تذکرۂ

نادر"، "فسانۂ عبرت"، "فیض میر"، "محاسن رنگین"، "جواہر سخن دوم" وغیرہ کو اصحاب علم وفن کی جانب سے قبولیت کا سند مل چکا ہے۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کا شمار اردو کے چوٹی کے محققین میں ہوتا ہے انھوں نے اردو شعرا ادب کے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ان پر تشفی بخش مواد فراہم کیا۔ ہندو پاک کے مختلف رسائل میں ان کے سیکڑوں مضامین شائع ہوئے اور علم وادب کے شائقین نے ان سے استفادہ کیا ان کا شمار ماہرین انیسیات میں ہوتا ہے انیس کے فکر وفن اور شخصیت کے کسی بھی پہلو کو انھوں نے تشنہ نہیں چھوڑا۔

رضوی صاحب کا کتب خانہ ہندو پاک میں نادر وکمیاب کتابوں کا گرانقدر کتب خانہ تسلیم کیا جاتا ہے اپنی ذاتی لگن اور محنت سے انھوں نے کئی نادر مخطوطات کو جمع کر لیا تھا وہ پرانی تہذیب کے پروردہ تھے خلوص ومحبت اور رواداری وبردباری ان کی طبیعت کا خاصہ تھا، لکھنویت تو ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی اردو خدمات اتنی زیادہ اور وقیع ہیں کہ انھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ایسے لائق اور فائق ادیب ودانشور تو صدیوں میں کہیں پیدا ہوتے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ جب اردو زبان کو ان کی ضرورت تھی تو موت کی آغوش میں وہ سو گئے۔

منشی دیا نرائن نگم مرحوم پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی علمی وادبی سوجھ بوجھ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے رسالہ زمانہ کے لیے ان سے فرمائش کر کے وہ مضامین حاصل کیا کرتے تھے پروفیسر مسعود حسن رضوی بھی آنجہانی نگم کی ادبی خدمات کے بڑے معترف ومداح تھے۔

تمکین کاظمی

مولانا تمکین کاظمی ۲۶ شعبان ۱۳۲۰ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۹۰۲ء کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے ان کے والد محترم کا نام مولانا سید منتخب الدین تھا شاعری کا شغل فرماتے تھے اور اوجؔ تخلص اختیار کیا تھا۔ مولانا سید منتخب الدین اوجؔ نے منصب داری کے فرائض بھی انجام دیئے تھے اور ایک وقت میں گلبرگہ شریف کے خزانہ دار بھی رہے تھے شعر و شاعری کے تعلق سے فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے حلقہ بگوشوں میں تھے۔ تمکین کاظمی کی والدہ محترمہ بھی بڑی شریف اور پاک باطن خاتون تھیں، عربی اور فارسی پر دسترس رکھتی تھیں۔ چنانچہ ہونہار اور ذہین بیٹے کی ذہنی تربیت میں ان کا بھی خاص حصہ تھا والد اور والدہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جناب تمکین کاظمی نے مدرسہ منصب داران اور دارالعلوم حیدرآباد دکن میں عربی و فارسی کی اعلا تعلیم حاصل کی بعدازاں مفید الانام دھرم ونت اسکول حیدرآباد اور عثمان آباد ہائی اسکول میں انگریزی پڑھی۔

تمکین کاظمی کے جدامجد بخارا شریف کے رہنے والے تھے۔ مگر گردش ایام نے انھیں دہلی پہونچا دیا تھا ان دنوں جبکہ وارد ہندستان ہوئے دکن میں نواب میر نظام الدین علی خاں بہادر کی حکمرانی تھی ان کی علم پروری اور ادب دوستی کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ تمکین کے جدامجد نے اس طرف کا رخ کیا اور سلطنت دکن کے سدا بہار مقام اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی۔

تمکین کاظمی مرحوم صحیح النسب سادات میں سے تھے اور آپ کا شجرہ نسب

کئی پشتوں کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مل جاتا ہے، انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا تھا۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنی سب سے پہلی غزل پندرہ سال کی عمر میں کہی۔ اس کے بعد شعروشاعری کا سلسلہ مستقل طور پر چل پڑا۔ آگے چل کر انھوں نے شعروشاعری کے علاوہ مضمون نگاری بھی شروع کردی اور چند برسوں میں مضمون نگاری کی ایسی چاٹ پڑی کہ شاعری چھوٹ گئی اور صرف مضمون نگاری باقی رہ گئی وہ کافی منجھے ہوئے مترجم بھی تھے۔ انگریزی کے مشہور و معروف انشا پرداز آسکروائلڈ کی کتاب (THE IMPORTANCE OF BEING EARNEST) کا انتہائی سلیس بامحاورہ اور رواں دواں ترجمہ کیا۔ اس ترجمے پر تاثر کے عنوان سے حضرت جوش ملیح آبادی نے چند سطور رقم کیے ہیں۔ ایک جگہ انھوں نے تمکین کاظمی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"حضرت تمکین ان نوجوانوں میں سے ہیں جو اپنی جوانی کی شمع کو محفل شبستان ادب میں روشن رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اور درا صل یہ بات اس قابل ہے کہ جہاں تک آپ کی توصیف کی جائے کم ہے۔"

تمکین کاظمی کی نثر نگاری کا حسب ذیل نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

بعض باتیں دنیا میں عجیب و غریب دیکھنے میں آئی ہیں۔ وحیدالدین سلیم پانی پتی اور عبدالحق باوجود پکے ملحد اور مکمل دہریہ ہو کے بھی مولوی مولانا اور مقدس بنتے رہے اور لوگ ان کو مذہبی اور مسلمان سمجھ کر پوجتے رہے اور نیاز فتح پوری اور جوش ملیح آبادی باوجود مسلمان اور پکا مسلمان ہونے کے ملحد اور دہریہ کہلاتے رہے میں ان چاروں کو جانتا ہوں بلکہ یہ کہئے کہ بہت زیادہ واقف ہوں اس لیے حیران ہوں کہ کیا بوالعجبی ہے۔

(افکار جوش نمبر)

سلیم جعفر

جناب سلیم جعفر زمانہ کے خاص قلمی معاونین میں سے تھے زمانہ میں شائع شدہ ان کے مضامین کا اگر شمار کیا جائے تو ان کی تعداد دو درجن سے زائد تک پہونچتی ہے میرے خیال اور مطالعہ کی رو سے زمانہ کے تمام مضمون نگاروں میں (پریم چند کو چھوڑ کر) سلیم جعفر صاحب کے مضامین تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔ ان کے مضامین جو زمانہ میں شائع ہوئے وہ اردو تنقید و تحقیق کے خزانہ میں اضافہ کا درجہ رکھتے ہیں ان کے ایسے کچھ مضامین کی فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔ سنسکرت اور فارسی قواعد۔ جون ۱۹۳۸ء

۲۔ فارسی اور سنسکرت کے تلفظ مارچ ۱۹۳۸ء

۳۔ مضارع فارسی اگست ۱۹۳۸ء

۴۔ حسن ارکان الفاظ۔ جنوری ۱۹۳۶ء

۵۔ نظیر اکبر آبادی کی مصوری۔ ستمبر ۱۹۴۴ء

۶۔ نظیر کے ساتھ ناانصافی۔ نومبر ۱۹۴۴ء

۷۔ دیوانِ جان بہاری لال۔ ستمبر ۱۹۳۷ء

۸۔ فارسی مصدروں کے مادّے۔ جولائی ۱۹۳۷ء

۹۔ تقسیم ابجد۔ ستمبر ۱۹۳۰ء

۱۰۔ پریم چند کی مصوری۔ ۱۹۳۷ء (پریم چند نمبر)

۱۱۔ اردو کب اور کہاں پیدا ہوئی۔ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء
۱۲۔ نظیر اکبرآبادی کے اردو دیوان۔ مئی سنہ ۱۹۶۸ء
۱۳۔ ریختی۔ اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ء

سلیم جعفر صاحب کو اردو کے ساتھ ساتھ فارسی اور سنسکرت وغیرہ زبانوں پر پوری دسترس حاصل تھی۔ وہ اگرچہ سرکاری ملازمت میں تھے، اور مصروفیتیں بے پناہ تھیں لیکن اس کے باوجود ان کے قلم سے تحریر کے موتی بکھرتے رہتے تھے۔

سلیم جعفر صاحب کی یادگار ان کی کئی کتابیں بھی ہیں میرے نزدیک ان کا سب سے وقیع کام نظیر اکبرآبادی کے کلام کی ترتیب و تدوین ہے۔ گلزار نظیر کے نام سے انھوں نے نظیر اکبرآبادی کا کلام جمع کر کے ترتیب دیا اور شائع کیا۔ اس کتاب کو ہندستانی اکیڈمی نے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا ۵۲۱ صفحات پر مشتمل ہے اس کی خاص چیز شروع کا اس کا مقدمہ ہے جسے خود سلیم جعفر صاحب نے تحریر کیا ہے۔

جوش ملیح آبادی

جوش ملیح آبادی کا خاندانی نام شبیر احمد خاں تھا سنہ ۱۹۰۷ء میں انھوں نے اسے تبدیل کر کے شبیر حسن خاں کر دیا۔ نقوش لاہور کے اڈیٹر صہبا لکھنوی کے نام اپنے خط میں انھوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۵ دسمبر سنہ ۱۸۹۸ء درج کی ہے والد کا نام میشر احمد خاں میشر اور دادا نواب محمد احمد خاں احمد تھے۔ جوش صاحب کی شادی خانہ آبادی سنہ ۱۹۱۷ء میں ہوئی ان کی اہلیہ کا نام اشرف جہاں بیگم ہے ان سے دو اولادیں ہوئیں ایک لڑکا جن کا نام سجاد حیدر ہے اور دوسری لڑکی جو سعیدہ خاتون کے نام سے جانی جاتی ہیں۔

جوش ملیح آبادی کے خاندانی شجرے کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد سنی مسلک رکھتے تھے لیکن ان کی دادی شیعہ تھیں۔ جوش ملیح آبادی کے قلب و ذہن کو بدلنے میں ان کی دادی مرحومہ نے تو خاص کردار ادا ہی کیا تھا مگر لکھنؤ کے شیعہ دوستوں نے رہی سہی کمی پوری کر دی اور وہ پورے شیعہ ہو گئے۔ جوش ملیح آبادی کی ہائی اسکول تک کی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی عربی کی تعلیم انھوں نے مرزا ہادی رسوا سے حاصل کی سنہ ۱۹۱۳ء میں علی گڑھ کے ایم اے او کالج میں داخل ہوئے وہاں ایک سال تک قیام کرنے کے بعد آگرہ کا رخ کیا یہاں سنہ ۱۹۱۴ء میں سینئر کیمبرج تک تعلیم پائی سنہ ۱۹۱۸ء میں وہ شانتی نیکیتن میں بھی رہے۔

مشاعرہ کا آغاز جوش مرحوم نے سنہ ۱۹۰۷ء میں کیا اس سال کے دوران انھوں نے جو پہلا شعر کہا وہ اس طرح ہے ؎۔

شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے   یہ مرا فن خاندانی ہے

جوش ملیح آبادی نے اپنی ابتدائی شاعری پر عزیز لکھنوی سے اصلاح لی لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی انھوں نے اصلاح ومشورہ کا سلسلہ بند کر دیا، اور پھر اپنے شاعرانہ ذوق وشوق کے وہ خود ہی رہنما ورا ہبر رہے سنہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک انھوں نے حیدر آباد کے دارالترجمہ میں ناظر ادب کی حیثیت سے کام کیا۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں وہ دہلی آئے اور یہاں سے نکلنے والے جریدے کلیم کی ادارت سنبھالی وہ لکھنؤ سے نکلنے والے ماہنامہ "نیا ادب" کے بھی مدیر رہے۔ تقسیم کے بعد ہندستان میں ان کی آخری سرکاری ملازمت آج کل کی ادارت تھی جو ۱۹۵۵ تک قائم رہی اس کے بعد جوش صاحب پاکستان چلے گئے۔ پاکستان جانے کے بعد وہ وہاں کے ترقی اردو بورڈ سے وابستہ ہوگئے تھے اگرچہ انھوں نے پاکستان میں رہائش تو اختیار کی لیکن وہاں کی حکومت سے وہ کبھی خوش نہیں رہے۔ جوش ملیح آبادی کی حسب ذیل کتابیں اردو ادب میں بیش بہا اضافہ کا درجہ رکھتی ہیں "روح ادب" (سنہ ۱۹۲۱) نقش ونگار (سنہ ۱۹۳۶) شعلہ وشبنم (سنہ ۱۹۳۶) فکر ونشاط (۱۹۳۸) جنون وحکمت (سنہ ۱۹۳۷ء) حرف وحکایات (سنہ ۱۹۳۹ء) آیات ونغمات (سنہ ۱۹۴۱) عرش وفرش (سنہ ۱۹۴۴) رامش ورنگ (سنہ ۱۹۴۵ء) سنبل وسلاسل (سنہ ۱۹۴۷) سیف وسبو (جوش کا منتخبہ کلام مطبوعہ سنہ ۱۹۴۷) سرود وخروش (سنہ ۱۹۵۳) سموم وصبا (سنہ ۱۹۵۴) طلوع فکر (سنہ ۱۹۵۷) ان تمام تصانیف کے علاوہ ان کی خود نوشت سوانح "یادوں کی برات" نے ہندو پاک میں بڑا تہلکا مچایا، اس کتاب سے انھیں رسوائیاں زیادہ اور نیک نامی کم حاصل ہوئی۔

جوش ملیح آبادی اور منشی دیا نرائن نگم دونوں ایک دوسرے کے والہ وشیدا تھے جوش نے منشی جی کی پہلو دار شخصیت سے متاثر ہو کر ایک انتہائی خوبصورت نظم سپرد قلم کی اور منشی جی نے اس نظم کے جواب میں شکریے کا جو خط جوش کے نام لکھا اس میں انھوں نے دل نکال کر رکھ دیا ہے۔ یہ دونوں ہی چیزیں اردو ادب کی بیش قیمت چیزیں ہیں۔

جوش ملیح آبادی کے بے پناہ ادبی کارناموں کے پیش نظر انھیں بہت سے سرکاری وغیرسرکاری اعزازات ملے ان اعزازات میں تین اعزازات بڑے اہم ہیں پہلا پدم بھوشن جسے حکومت نے دیا دوسرا شاعر انقلاب کا خطاب جسے عبدالرزاق ملیح آبادی نے ۱۹۳۵ء میں دیا اور تیسرا خطاب ان کے دوست منشی دیا نرائن نگم کا عطا کردہ ہے۔ منشی دیا نرائن نگم نے انھیں شاعر اعظم کا خطاب دیا تھا۔

ثاقب کانپوری

نام ابو محمد اور ثاقب تخلص ہے والد کا نام سید شاہ احمد اکبر عرف دولھا میاں تھا ان کے حلقے کے لوگ انھیں سحر طراز کے نام سے پکارتے تھے حضرت ثاقب کانپوری ۲۷ اگست ۱۹۰۱ء کو خانقاہ شریف حضرت دادا میاں بیگم گنج کانپور میں پیدا ہوئے ان کا خاندان اولیا و فقراء کا خاندان تسلیم کیا جاتا ہے ثاقب صاحب کے جد امجد سید شاہ رضا علی اور سید شاہ رضا علی کے جد امجد سید شاہ قمر اللہ تھے۔ یہ دونوں حضرات اپنی بزرگی اور خدا ترسی میں یگانہ عصر تھے۔ سید شاہ قمر اللہ کی بزرگی اور دینی حمیت کا اس قدر بول بالا تھا کہ اورنگ زیب بھی ان سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے اور بڑی عقیدت اور انکساری کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضری دے کر ان کی دعائیں حاصل کرنے لگے۔

ثاقب صاحب کی ابتدائی تعلیم ان کے والد نے گھر پر ہی اپنی نگہداشت میں مکمل کرائی بعد ازاں مولانا عبد الحلیم صدیقی ناظم جمعیۃ العلماء ہند اور مولانا آزاد سبحانی جیسے اکابر علم کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر انھوں نے جملہ فنون کی تحصیل کی اس کے بعد مولانا محوی صدیقی جیسے عالم و فاضل کی صحبت انھیں نصیب ہوئی ان سے بھی ثاقب صاحب نے بہت کچھ حاصل کیا، اردو عربی اور فارسی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ دنوں تک جامعہ ملیہ میں مرحوم ڈاکٹر عابد حسین سے انگریزی پڑھی اس طرح انگریزی زبان سے بھی انھیں لگاؤ رہا اور اس میں انھوں نے کسی حد تک لیاقت پیدا کر لی۔

ثاقب کانپوری نے ۱۹۱۷ء میں جب وہ کل ۱۷ سال کے تھے تو شاعری

کا آغاز کیا۔ اور اس کے بعد اس میدان میں ان کا قلم اس تیزی اور مہارت کے ساتھ چلا کہ شہرت کے بام عروج پر متمکن ہو گئے۔ عالمگیر، سہیل، ساقی، افکار، سیب معارف، ادبی دنیا، سب رس، ہمایوں اور زمانہ جیسے مقتدر اور معتبر رسائل میں ان کی تخلیقات شائع ہو کر مقبول ہوئیں۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں ثاقب صاحب کا پہلا شعری مجموعہ متاع درد کے نام سے شائع ہوا اسی سال یعنی سنہ ۱۹۳۰ میں ہی انھوں نے "انتخاب سودا" کے نام سے مرزا محمد رفیع سودا کے کلام کا انتخاب شائع کیا جسے ادبی حلقوں میں کافی سراہا گیا اس انتخاب کے شروع میں انھوں نے جو تقریظ لکھی اس میں سودا کے کلام کے محاسن کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ اجاگر کیا۔ سنہ ۱۹۵۳ء میں ثاقب نے اپنا دوسرا مجموعہ روح جاوداں کے نام سے شائع کیا۔

ثاقب کانپوری کی شاعری ایک مہذب اور با اخلاق ذہن کا پاکیزہ شاعری ہے اس کے دامن میں درد و کسک اور محرومی و مجبوری کے وہ پرسوز عناصر ہیں کہ جو دامن دل کو تار تار کر دیتے ہیں ان کی نظم بیوہ اور برسات کو پڑھ کر آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتی ہیں۔

سنت پرشاد مدہوش

سنت پرشاد نام اور مدہوش تخلص ہے۔ ان کا تعارف کراتے ہوئے زمانہ کے ستمبر ۱۹۳۷ کے شمارے میں منشی دیا نرائن نگم لکھا ہے کہ :

مدہوش صاحب سچے رضاکار ہیں اور خدمت خلق میں ہی اپنی تمام عمر صرف کر دینا چاہتے ہیں۔ جتنے مضامین انھوں نے زمانہ میں لکھے ہیں وہ سب ملک کے بڑے بڑے اخباروں اور رسالوں میں نقل ہوئے ہیں دراصل وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس پر پہلے ہی اس قدر غور و مطالعہ کر لیتے ہیں کہ اس کے متعلق کوئی بات ان سے قلم انداز نہیں ہونے پاتی۔

ایک جگہ ان کے تعلق سے منشی دیا نرائن نگم نے اور لکھا ہے کہ :

مدہوش صاحب اردو اور ہندی کے علاوہ انگریزی اور فارسی ادب پر بھی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ تصوف سے آپ کو اسقدر شغف ہے کہ ہر وقت کبیر، سرمد، حافظ، شمس تبریز، اور مولانا روم وغیرہ صوفیائے کرام کا کلام آپ کے زیر مطالعہ رہتا ہے مثنوی مولانا روم کے تو آپ فاضل کامل ہیں جس ذوق سلیم اور ادبی تحقیق کے ساتھ آپ نے مثنوی مولانا روم کو بار بار پڑھا ہے اس کی مثال ہم عصر معاصرین میں شاذ و نادر ہی ملے گی بہرحال اس تحقیق و مطالعہ کی برکت ہے کہ آپ کے کلام میں روحانیت اور انسانیت بھری ہوتی ہے۔ حضرت مدہوش کی شاعری کا انداز محض عاشقانہ ہی نہیں والہانہ بھی ہوتا ہے۔

منشی دیا نرائن نگم کو پروفیسر مدہوش کی انتظامی صلاحیتوں، سوجھ بوجھ اور فکر و تدبیر پر بڑا اعتماد تھا انھیں خصوصیات کے پیشِ نظر منشی جی نے انھیں زمانہ کے ادارتی بورڈ میں شریک کیا تھا۔ زمانہ کے ادارتی بورڈ میں پروفیسر مدہوش کی شرکت کے بعد منشی جی نے انھیں جو خط لکھا اس خط میں اس امر کا اظہار کیا کہ ۔۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ زمانہ کا کاروبار میرے بعد بھی چلتا رہے گا۔

نمونۂ کلام

حسن دانوں کے لیے دور سے کچھ لایا ہوں — عشق آباد سے میں بیچنے دل آیا ہوں
دیکھ کر جنس گراں میری فرشتے جھجکے — آئے انسان نہ انسان سے ہر انساں ٹھٹکے
آگے بڑھتے ہو کوئی کاش متاعِ رنگیں — دستِ نازک کو بڑھائے تو کوئی ماہ جبیں
خوب ہی ٹھونک بجا کر اسے دیکھے گاہک — یہ وہ شیشہ ہے کہ پتھر سے لڑا لے گاہک

بیچنے لائے تھے دنیا میں دلِ شوق زدہ
اس کو واپس لیے جاتے ہیں مگر افسردہ

قدرداں کوئی نہیں بزمِ سخن میں اپنا
ہم زباں گل ہی نہیں حیف چمن میں اپنا

حسن یحییٰ عندلیب

جناب حسن یحییٰ عندلیب مشہور انشا پردازہ جناب یحییٰ تنہا مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ حسن صاحب کو منشی جی بہت عزیز رکھتے تھے چنانچہ جب وہ کانپور وارد ہوئے تو مرحوم منشی دیانرائن نگم نے انھیں کچھ روز اپنے یہاں ٹھہرایا۔ زمانہ اور آزاد کے کاموں میں انھوں نے منشی جی کا ہاتھ بھی بٹایا تھا۔ آزاد کے جنگ نمبر کی تیاری میں بھی انھوں نے بھرپور حصہ لیا ان کے کئی مضامین بھی اس خصوصی نمبر میں شامل ہیں انھوں نے ایم اے پاس کیا تھا، مقالہ نویسی اور شاعری کا شوق تھا۔ ان کی کئی خوبصورت نظمیں زمانہ کے مختلف شماروں میں شامل ہیں۔

سوریہ پرتاپ (حق پرست)

کیپٹن سوریہ پرتاپ لکھنؤ کے ایک کایستھ خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے پر دادا فوج کے ایک اعلا افسر تھے اور حیدر آباد میں ان کی تعیناتی تھی۔ کیپٹن سوریہ پرتاپ حیدر آباد میں ہی فروری ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا آنجہانی کشن پرشاد آریہ سماجی تھے، لہٰذا کیپٹن سوریہ پرتاپ نے بھی اپنی عمر کے ابتدائی دنوں میں اس کے اثرات کو قبول کیا۔

حیدر آباد میں ان کے لڑکپن میں جس طرح کے حالات تھے ان حالات کے اثرات سے انھیں علاحدہ رکھنے کے لیے ان کے والد نے انھیں لاہور کے ڈی اے وی اسکول میں داخل کر دیا انھوں نے دہرہ دون کے ایک اسکول میں بھی کچھ دنوں تک تعلیم حاصل کی تھی، اگرچہ گھر کی مالی حالت کچھ بہت زیادہ بہتر نہیں تھی اس کے باوجود ان کی تعلیم و تربیت کا معقول بندوبست کیا گیا کچھ دنوں کے لیے الہ آباد کے مشہور کایستھ پاٹھ شالہ میں بھی وہ گئے اور یہاں کے تجربہ کار اساتذہ سے سیکھا پڑھا۔ کایستھ پاٹھ شالہ سے نکلنے کے بعد اعلا تعلیم کی غرض سے جے پور کے ایک کالج میں ان کا نام لکھوایا گیا۔

حیدر آباد کے باہر کے مستقل قیام نے کیپٹن سوریہ پرتاپ کے ذہن پر بھرپور اثرات چھوڑے۔ یہ غالباً ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان کی بات ہے آریہ سماج کی اصلاحی تحریک سے متاثر ہو کر انھوں نے دہلی کے ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ اور آنجہانی چترسین شاستری سے گہرے مراسم قائم کیے۔

۱۹۰۹ء میں جب کیپٹن سوریہ پرتاپ کے والد کا انتقال ہوا تو ان پر گھریلو ذمہ داریاں آ پڑیں۔ چنانچہ بیوہ ماں اور بہن کی کفالت کی غرض سے انھوں نے جے پور اور حیدر آباد کے چند اسکولوں میں مدرس کے فرائض بھی انجام دیے اسکے

بعد بعض احباب کے اثر و رسوخ سے انھیں حیدر آباد کے سکریٹریٹ میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کا عہدہ دے دیا گیا۔ اس معزز عہدے پر ایک عرصے تک رہ کر ۱۹۴۵ء میں وہ ریٹائر ہوئے۔ زمانہ رضاکار میں کیپٹن سوریہ بھی حیدر آباد سے واردھا اور پھر ناگپور چلے گئے اور یہاں کے پناہ گزینوں کی باز آبادکاری کے لیے جو محکمہ سرکار نے بنایا تھا اس محکمے کے ایک خصوصی افسر کا عہدہ انھیں سونپ دیا گیا حیدر آباد میں جب پولیس ایکشن ہوا تو وہ دوبارہ حیدر آباد آئے اور کچھ دنوں تک حساب کتاب کے محکمے میں افسر رہے۔

کیپٹن سوریہ پرتاپ چاہے جس عہدے اور جس حالت میں رہے ہوں ادب سے ان کا رشتہ استوار رہا اور اسی ادبی ذوق کا نتیجہ تھا کہ وہ حیدرآباد کے ایک اردو ہفتہ وار مساوات کی مجلس ادارت میں شامل کر لیے گئے تھے اس اخبار میں نظام حکومت پر سخت قسم کی تنقیدیں چھپتی تھیں جس کے نتیجے میں نظام حکومت نے اخبار پر پابندی عائد کر دی تھی مگر اخبار کو دوسرے نام سے شائع کیا جاتا رہا۔

اسی دوران میں جبکہ ان کے مضامین کا چرچا تھا ان کے تعلقات منشی دیا نرائن نگم سے بھی قائم ہوئے۔ اس تعلق کا خوشگوار نتیجہ یہ سامنے آیا کہ انھوں نے زمانہ میں بھی لکھنا شروع کیا لیکن اب ان کے مضامین ایک نئے نام حق پرست کے نام سے شائع ہوتے تھے۔ یہ نام منشی دیا نرائن نگم ہی نے ان کے لیے تجویز کیا تھا۔ زمانہ میں یوں تو انکے کئی مضامین شائع ہوئے لیکن ان کا ایک مضمون "ہندی اردو اور ہندستانی" نے تو ایک طویل بحث کا دروازہ کھول دیا تھا۔ کیپٹن سوریہ پرتاپ کا درس و تدریس سے گہرا ربط تھا وہ کئی تعلیمی اداروں سے وابستہ تھے غالباً اسی بنیاد پر لوگ انھیں ماسٹر صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ انھیں سیر و سیاحت کا بھی بڑا شوق تھا۔ ملک کے طول و عرض کی انھوں نے سیاحت کی تھی ان کا انتقال ۱۷ جنوری ۱۹۸۰ء کو ہوا۔

سید رفیق مارہروی

مارہرہ کا وہ خاندان جو روحانی فیوض و برکات کا حامل تھا اور جس سے مرحوم سید رفیق مارہروی کا تعلق تھا در اصل وہ سرزمین بلگرام سے متعلق تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کے نام لکھے ہوئے اپنے خط میں مولانا احسن مارہروی نے اپنے خاندان کی نسبت فرمایا ہے کہ:

"..... مولانا آزاد بلگرامی ہمارے قبیلے کے مشہور و معروف بزرگ تھے۔ ہم لوگ در اصل بلگرامی ہیں ایک خاندان مارہرہ چلا آیا۔ کچھ افراد بھلہ چلے گئے — اور کچھ حیدرآباد میں در اصل سب ایک ....."

سید رفیق مارہروی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے اور بڑے ہو کر انھوں نے وہی راہ اختیار کی جو ان کے والد محترم حضرت احسن مارہروی کی تھی۔ پہلی بیوی سے مولانا احسن کے کئی لڑکے تھے لیکن سید رفیق ہی ان کے خلف الصدق قرار پائے۔

مولانا سید رفیق مارہروی نے اپنے وقت کے اخبارات و رسائل میں ان گنت مضامین سپرد قلم کیے زمانہ میں بھی انھوں نے بہت سارے مضامین لکھے ان کی کچھ تصنیفات بھی ہیں جو اپنے موضوع پر کافی اہم ہیں، مثلاً "ہندوؤں میں اردو" "بزم داغ" "زبان داغ" "مسلمان اور نظریہ شرافت" اور "نواب مرزا داغ" وغیرہ۔

یوں تو سید رفیق مارہروی کی طبع زاد اور مرتبہ سبھی کتابیں ہماری توجہ کی مستحق ہیں لیکن میرے مطالعہ کی رو سے ان کی تصنیف "ہندوؤں میں اردو" اپنے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر بڑی کارآمد اور معلومات افزا ہے — سید رفیق مارہروی کو اس بات کا بڑا شکوہ تھا کہ اردو کے تذکروں اور تاریخی کتابوں میں

اردو کے ہندو ادبا و شعرا کے تذکرہ میں بڑے بخل سے کام لیا گیا اردو کے بے شمار ہندو شعرا و ادبا کے کمالات کا اعتراف تو کیا ان کے ناموں تک کا پتہ ... نہیں چلتا ایسے سیکڑوں ہندو ادیبوں اور شاعروں میں سے چند ہی ایسے ہیں جو ہمارے مطالعہ میں آسکے ہیں چنانچہ اردو کے شعرا و ادبا کے تذکروں کی اس طرح کی کوتاہیوں کو دور کرنے کی غرض سے مرحوم سید رفیق مارہروی نے یہ ضخیم تذکرہ مرتب کیا۔

سید رفیق مارہروی کی جتنی بھی تحریریں دستیاب ہیں ان میں ان کا سادہ و دلکش اسلوب بیان کار فرما ہے وہ مشکل سے مشکل بات کو سادے اور شیریں ڈھنگ سے بیان کر جاتے تھے زمانہ میں ان کے مضامین کافی تعداد میں شائع ہوئے منشی دیا نرائن نگم ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

شیام موہن لال جگر بریلوی

نام شیام موہن لال اور جگر تخلص تھا آنجہانی کنور کنھیالال کے چوتھے صاحبزادے تھے ۱۸۹۰ء میں بریلی میں پیدا ہوئے تھے دس گیارہ سال کی عمر تک کسی مکتب یا مدرسے میں داخل نہیں کیے گئے بلکہ گھر پر ہی انھوں نے اردو فارسی اور انگریزی کی مروجہ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۱ء میں ہی آئی ایم ہائی اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا، انٹرنس کے بعد مزید تعلیم کی غرض سے بریلی کالج میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں انھوں نے یہاں سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ بی اے میں آپ نے انگریزی فارسی اور فلسفہ تین مضامین لیے اور تینوں میں امتیازی نمبر انھیں ملے۔ ۱۹۱۸ء میں جگر صاحب نے ملازمت کا آغاز کیا ان کی ملازمت نائب تحصیلداری سے شروع ہوئی اور اس عہدے پر رہ کر انھوں نے پنشن لی۔ جگر صاحب پڑھے لکھے اور با اثر گھرانے کے فرد تھے وہ چاہتے تو کوئی بڑا سرکاری عہدہ انھیں مل جاتا لیکن آزاد خیالی اور راست کرداری اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قناعت و استغنا نے انھیں حرص و ہوس سے کوسوں دور رکھا۔

۱۹۴۲ء ۔۔۔ کے دسمبر کے مہینے میں جبکہ وہ تحصیل میں نائب تحصیلداری کے فرائض پر مامور تھے کہ یکایک ان کا ہونہار اور ذہین لڑکا چند گھنٹے کی علالت کے بعد انتقال کر گیا اس بڑے حادثے نے ان کے حوصلوں کو پست کر دیا ان کا دل ملازمت سے اچاٹ ہو گیا لہٰذا اسی سال سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

جگر بریلوی کو شعر و ادب کا ذوق ورثے میں ملا تھا ان کے ننھیال اور دادھیال دونوں جگہوں پر شعر و ادب کا چرچا موجود تھا۔ ان کے نانا منشی گنگا پرشاد

باذوق انسان تھے اور اوج تخلص رکھتے تھے آتش لکھنوی سے ان کو فیض تلمذ حاصل تھا۔

جگر بریلوی نے کم عمری میں شعر گوئی شروع کر دی تھی۔ مستقل مشق اور جد و جہد سے بہت جلد ان کے یہاں فنی و شعری سلیقہ مندی آ گئی تھی۔ ان کے استاد حضرت عزیز لکھنوی نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں میں اپنی خوبصورت اور سہل زبان کے ذریعہ چار چاند لگائے نتیجے کے طور پر جگر بریلوی شاعری کے بلند و برتر مقام پر فائز ہوئے اور وقت کے سربرآوردہ ناقدین نے ان کے فن کو سراہا۔

جگر بریلوی کی تصنیفات و تالیفات میں "تاریخ ہند" "اردو اور ہندو" "یاد رفتگاں" "صحت زبان اردو" "مجموعۂ منظومات" "مضامین جگر (حصہ اول و حصہ دوم)" "مثنوی پیام ساوتری" "یادگار نوبت رائے نظر" اور "بہار جاوداں" بہت مشہور ہیں۔ جگر بریلوی اور منشی دیا نرائن نگم کے درمیان خصوصی تعلقات تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ زمانہ میں ان کی درجنوں نظمیں، غزلیں اور دیگر چیزیں شائع ہوئیں۔

یحییٰ تنہا

جناب یحییٰ تنہا صاحب عہد شبلی و حالی کے ایک نامور ادیب و انشا پرداز تھے ۱۹۱۴ء میں وہ لکھنؤ میں قیام پذیر تھے اور یہیں پر انھوں نے اپنی مشہور تصنیف "سیر المصنفین" قلم بند کی جس زمانے میں یحییٰ صاحب اپنی یہ کتاب مرتب کرنے میں مصروف تھے اسی زمانے میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی تھی ہر طرف ایک ہو کا عالم تھا نتیجے کے طور پر سیر المصنفین مکمل نہ ہو سکی اور اس کا کام ملتوی ہو گیا ۱۹۲۳ء میں انھوں نے اسے دوبارہ لکھنا شروع کیا۔ اس کے دو حصے ہیں جو حصہ اول اور حصہ دوم کی شکل میں دار الاشاعت غازی آباد سے شائع کیا گیا تھا۔ کتاب کے پہلے حصے میں اردو کے دورِ اول اور دورِ دوم کے ادبا کا ذکر ہے اور جلد دوم میں دور سوئم کا تذکرہ شامل کیا گیا ہے کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ سیر المصنفین کو جناب یحییٰ تنہا نے "آب حیات" کے طور پر مرتب کیا ہے اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ انھوں نے اس تذکرے کو ہر اعتبار سے مفید اور کار آمد بنایا ہے اس کتاب کی ایک دوسری صفت یہ ہے کہ اس کے دونوں ہی حصوں میں اردو زبان کی عہد بہ عہد ترقی کو انتہائی خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ہے۔

واشنگٹن ارون (WASHINGTON IRWIN) امریکا کا ایک نامور ادیب تھا۔ یحییٰ صاحب نے امریکا کے اس ادیب بے عدیل کے مضامین کا با محاورہ اردو میں ترجمہ کیا اور اپنے ان ترجموں کو انھوں نے خیالات ارونگ کے نام سے شائع کیا۔

یحییٰ صاحب کی یادگار دو اور کتابیں ہیں ایک کا نام "تاریخ مغربی یورپ"

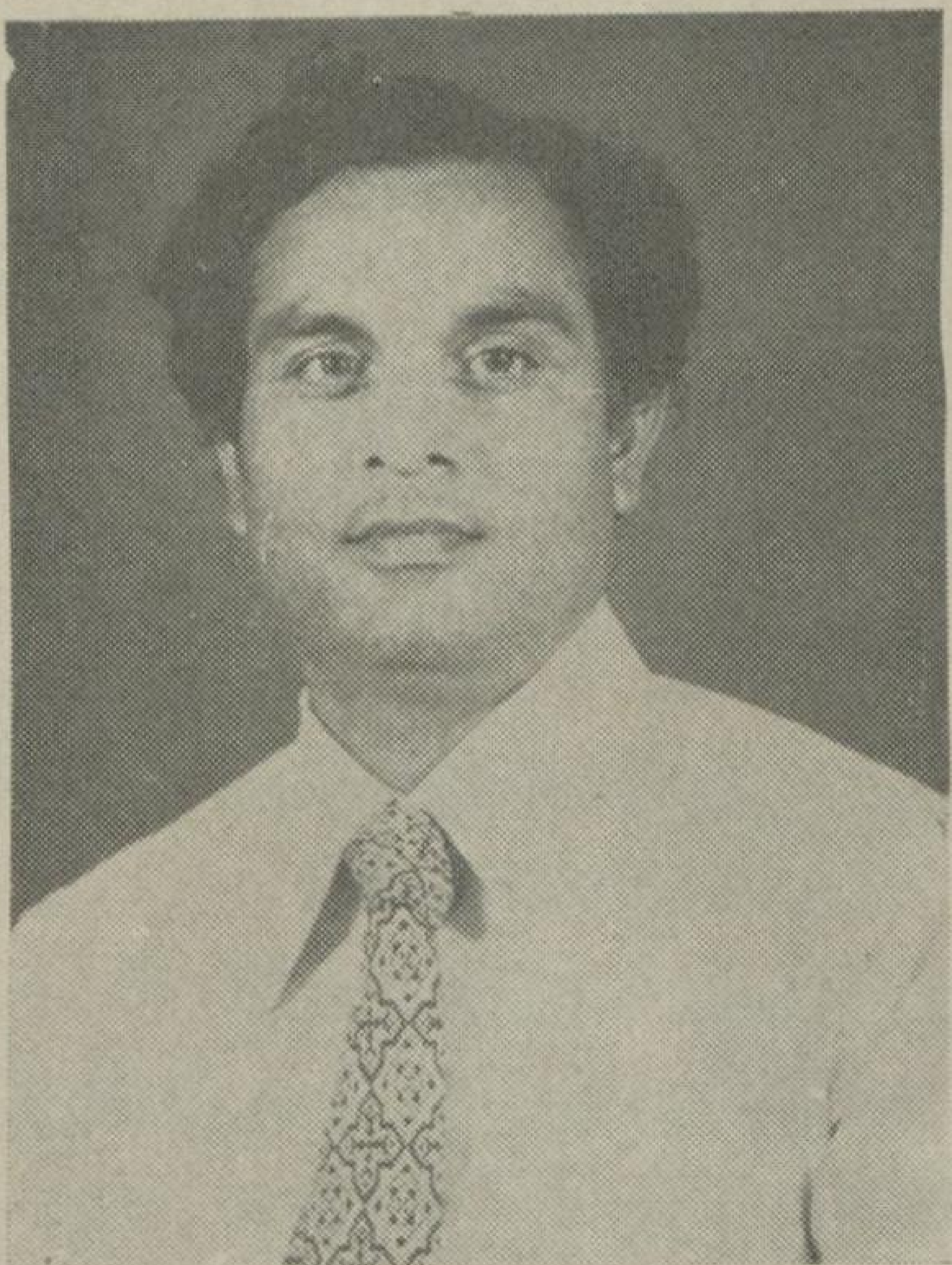
اور دوسری کا نام "شاعرانہ خیالات" ہے۔ تاریخِ مغربی یورپ۔ میں مغربی ممالک کا تفصیلی اور مشرقی ممالک کا اجمالی ذکر ہے۔

"شاعرانہ خیالات" میں انگریزی کے مشہور شعرا کی منتخب نظموں کا خوبصورت اور دل پذیر ترجمہ شامل کیا گیا ہے، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے اس کتاب کی نسبت تحریر کیا تھا کہ:

...."شاعرانہ خیالات" پہونچی یہ نہایت عمدہ خدمت زبان کی ہے اس قسم کی تصنیفات کی ضرورت ہے۔

مولانا حالی رقمطراز ہیں۔

.... حالانکہ مطالعہ بہت مدت سے ترک ہو گیا ہے اور آنکھوں کی حالت لکھنے پڑھنے کی مطلق اجازت نہیں دیتی مگر شاعرانہ خیالات کو جس طرح ہو سکا اول سے آخر تک غور سے پڑھا۔ شاید اپنی قسم کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں انگلستان کے نامور شعرا کے پوئٹیکل خیالات ایسی صفائی اور سلاست کے ساتھ مع مختصر حالات ہر ایک شاعر کے بیان کیے گئے جو لوگ مغربی شاعری کی پیروی کا خیال رکھتے ہیں ان کے لیے یہ مجموعہ ایک عمدہ رہبر کا کام کرے گا۔



Janab Mohammad Ayyub 'Waqif'

فاروق محشر بدایونی

بدایوں کی سرزمین علم وادب کی خدمت کے سلسلے میں ہمیشہ ہی سازگار رہی ہے، ملا عبدالقادر بدایونی، فانی بدایونی، شکیل بدایونی وغیرہ جو آسمان علم وادب کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اسی خطۂ سدا بہار سے تعلق رکھتے تھے جسے ہم بدایوں کے نام سے جانتے ہیں۔ محشر بدایونی علم وادب کے انھیں خدمت گاروں کے سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہیں۔

محشر بدایونی کو شاعری کا شوق قدرتی طور پر ودیعت ہوا اس پر ان کی محنت اور مشق نے خوبصورت اثرات مرتب کیے نتیجہ یہ سامنے آیا کہ محشر صاحب بہت جلد ادبی دنیا میں جانے اور پہچانے جانے لگے ان کا کلام ملک کے چوٹی کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہونے لگا۔

محشر بدایونی صاحب تقسیم ملک کے بعد ہندستان سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور اب پاکستان ہی کے شہری ہیں۔ پاکستان جانے کے بعد جس طرح جوش ملیح آبادی، رئیس امروہوی، جون ایلیا وغیرہ کو وطن کی یاد نے ہمیشہ خون کے آنسو رلایا اسی طرح پاکستان جانے کے بعد محشر بدایونی کو بھی اپنے وطن کی یاد اکثر بے خود کر دیا کرتی ہے جبھی تو اپنی ایک غزل میں محشر بدایونی نے کہا ہے

گیت محشر وطن کے لکھ لکھ کر
کی ہے تزئین فکر و فن ہم نے

محشر بدایونی کا اس وقت ہند و پاک کے ان چند شعرا میں شمار کیا جاتا ہے جو شعر و سخن کی دیوی کو پوری طرح اپنی گرفت میں رکھتے ہیں پاکستان میں ان کی قادر الکلامی کی اس طرح مدح و ستائش کی گئی کہ پاکستان

کے مقتدر ادبی جریدے افکار نے "گوشۂ محشر" شائع کیا اس گوشے میں پاکستان کے سربر آوردہ ادیبوں اور شاعروں نے دل کھول کر ان کی شخصیت اور فن کو سراہا۔

محشر بدایونی کے کلام کا خاص وصف سادگی اور برجستگی ہے ان کی شاعری میں ثقیل اور غیر مانوس الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں وہ ہلکے پھلکے الفاظ و تراکیب سے اپنی شاعری کو کس بل عطا کرتے ہیں۔ مثال کے لیے ان ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

جادہ جادہ نظر میں بھی ہے — اور مسافر سفر میں بھی ہے
دشت میں اپنا جی کیا لگے — یہ خرابی تو گھر میں بھی ہے
دوستو گھر سے نکلے تو ہو — کوئی منزل نظر میں بھی ہے
جتنی اونچی ہے پروازِ شوق — اتنا دم بال و پر میں بھی ہے
ہم کو دیکھو کہ زخمِ جنوں — پاؤں میں ہے تو سر میں بھی ہے

مولانا صلاح الدین احمد مدیر ادبی دنیا لاہور کی رحلت پر انھوں نے جو قطعہ تاریخ سپرد قلم کیا تھا وہ بھی جاننے کی چیز ہے اس تاریخی قطعہ کے چند اشعار دیکھیے۔

ہوئی محروم اردو آج اس مخلص کی خدمت سے
سنوارا اس زباں کو جس نے حسنِ قابلیت سے
کیا اس ضبط اور ایثار سے طے غم کی راہوں کو
شکن آئی نہ پیشانی پہ احساسِ اذیت سے
حیاتِ جاوداں آخر عطا کی حق تعالیٰ نے
نجاتِ دائمی حاصل ہوئی ہر رنج و کلفت سے
کہی اس مرگِ حشر انگیز کی تاریخ محشرؔ نے
"صلاح الدین احمد قصرِ جنت میں گیا راحت سے" (سنہ ۱۹۶۴ء)

عبدالرزاق قریشی

اعظم گڑھ سے بنارس کی طرف جانے والی سڑک پر محمد پور قصبہ سے تھوڑے فاصلے پر مسلمانوں کی ایک بستی ہے جو بسہم کے نام سے مشہور ہے عبدالرزاق قریشی مرحوم اسی گاؤں میں ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے ان کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں مذکورہ تاریخ کو ہی قطعیت کے ساتھ درست نہیں کہا جاسکتا ہے۔ قریشی صاحب نے اس تاریخ اور سال کا تعین اپنے گاؤں کے بڑے بوڑھوں کے اندازے کے مطابق کیا تھا۔ یو، پی کے دیہاتوں میں پیدائش کی تاریخیں لکھ کر محفوظ رکھنے کا رواج نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے ایسے میں بڑے بوڑھوں کی یادداشتوں پر ہی تکیہ کرنا پڑتا ہے ۔۔۔ قریشی صاحب کے اس آبائی وطن میں ان کا بچپن اور لڑکپن گذرا، گھر میں تعلیم کا کوئی چرچا نہیں تھا اس لیے ان کی تعلیم و تربیت پر کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی، لیکن تعلیم کا انھیں فطری شوق قدرت کی طرف سے ملا تھا اس لیے جو کچھ انھوں نے سیکھا اپنی ذاتی دلچسپیوں سے سیکھا۔

بمبئی آنے کے بعد انھوں نے اپنے مطالعہ میں جی بھر کے اضافہ کیا ان کے مطالعہ اور غور و فکر پر بمبئی کی علمی و ادبی شخصیتوں کی صحبتوں نے سونے پر سہاگا کا کام کیا اس کا خوشگوار نتیجہ یہ سامنے آیا کہ وہ بہت جلد اس اہل ہو گئے کہ بمبئی کے ایک بڑے اسکول میں فارسی پڑھانے پر تعینات کر دیئے گئے۔

قریشی صاحب نے ایک بار مجھے بتایا کہ انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۱۷ سال کی عمر میں کیا۔ ابتدا میں انھیں افسانہ نگاری کا شوق تھا اس شوق کی بنیاد پر انھوں نے کئی افسانے لکھے جو ہمایوں اور زمانہ وغیرہ میں شائع کیے

گئے۔ ان کے ایک افسانے "یہ زندگی" کا مسودہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ میں نے ان سے جب پوچھا کہ یہ افسانہ انھوں نے شائع کیوں نہیں کروایا تو اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ اب افسانوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے بعد میں قریشی صاحب تحقیق نگاری کی طرف راغب ہو گئے تھے اور یہ راہوار انھیں اس قدر راس آئی کہ پوری زندگی اسی کے ہو کر رہ گئے۔

عبدالرزاق قریشی صاحب کی ابتدائی ادبی زندگی پر بمبئی کے دو بڑے ادیبوں کے کافی احسانات ہیں اور وہ دو بڑے ادیب مولانا مہر محمد خان شہاب مالیر کوٹلوی اور سید نجیب اشرف ندوی تھے انھی دو بڑے ادیبوں کی مستقل صحبتوں نے انھیں دریائے تحقیق کا شناور بنا دیا۔

قریشی صاحب کی ادبی زندگی میں نکھار اس وقت آیا جب وہ انجمن اسلام اور ہائی اسکول کی معلمی چھوڑ کر اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے فیلو بنے انھوں نے جو بھی کتابیں مرتب کی ہیں ان کی بڑی وقعت ہے: "نوائے آزادی"، "مرزا مظہر جان جاناں، مکاتب مرزا مظہر جان جاناں، مبادیات تحقیق"، "راگ مالا"، "دیوانِ عزلت" اور "تاثرات" وغیرہ وہ چند کتابیں ہیں جو ان کی یادگار ہیں

سید نجیب اشرف ندوی صاحب کے انتقال کے بعد انھوں نے انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سہ ماہی جریدے "نوائے ادب" کی ادارت کے بھی فرائض انجام دیئے۔

عبدالرزاق قریشی مرحوم بڑی خاموش طبیعت کے انسان تھے انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا گوشۂ تنہائی تھا اور وہ تھے۔ انھوں نے شادی نہیں کی ان کا سارا عشق اردو زبان و ادب سے تھا اور آخر کار اردو زبان کے عشق کے ساتھ ہی اپنے آبائی گاؤں بسیم میں ۱۹۷۸ء میں انتقال کیا

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

حالاتِ مرتّب

اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں کی سرزمین سے علم وادب کی ایسی منفرد اور بے نظیر شخصیات ابھریں جن کا اعتراف پوری علمی وادبی دنیا کرتی ہے، شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی مولانا اسلم جے راج پوری، مولانا فاروق چریاکوٹی، علامہ اقبال سہیل پروفیسر احتشام حسین، مولانا عبدالسلام ندوی، شمیم کرہانی، یحییٰ اعظمی اور کیفی اعظمی وغیرہ کی علمی ادبی و شعری فتوحات وخدمات کا کون قائل نہیں ہے۔ اعظم گڈھ کی اسی خصوصیت وانفرادیت کو پیشِ نظر رکھ کر مولانا اقبال سہیل مرحوم نے کہا تھا

اس خطۂ اعظم گڈھ پہ مگر انوار تجلّی ہے یکسر
جو ذرّہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیّرِ اعظم ہوتا ہے

نوجوان ادیب ودانشور جناب محمد ایوب واقف کا تعلق بھی اسی خطّہ سے ہے یہاں کی تحصیل پھولپور میں ایک گاؤں ہے جس کا نام ہے پورہ نورم بیسہ یہ آج کے کسانوں اور پہلے کے زمینداروں کی ایک چھوٹی سی بستی ہے جناب محمد ایوب واقف اسی گاؤں کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں ۷ر اگست ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ ویسے یہ بات خاص طور سے ذہن میں رکھنے کی ہے کہ پورہ نورم بیسہ ان کا ننہالی گاؤں ہے ان کا اصل وطن اعظم گڈھ کا ایک دوسرا گاؤں نندا ؤں ہے جو مشہور قصبہ سرائے میر سے ۳ کیلومیٹر جنوب میں واقع

ہے۔ لیکن واقف صاحب کے والد اپنی شادی کے بعد سسرال میں منتقل ہو گئے تھے لہٰذا واقف صاحب کی اور ان کے سب بھائیوں اور بہنوں کی پیدائش ننہال میں ہی ہوئی۔

محمد ایوب واقف کے والد کا نام شیخ سراج الحق اور والدہ کا نام صغرا بی ہے بدقسمتی سے اب دونوں کا ہی انتقال ہو چکا ہے یہ بڑی خوبیوں کے لوگ تھے دینداری اور پرہیزگاری ان کی طبیعت کا خاصہ تھا والدین کی نیکیوں اور سیرت کی خوبیوں کا اثر واقف صاحب کی زندگی میں بھی موجود ہے ان کی شیریں کلامی اور اخلاق مندی کی قدر کی جاتی ہے۔

۵ سال کی عمر میں ایوب واقف صاحب کو گاؤں کے مکتب مدرسہ امدادیہ میں رکھا گیا یہاں انھوں نے علاقے کے ایک حافظ اور دینیات کے عالم سے قرآن شریف اور اردو کی تعلیم حاصل کی پانچویں جماعت کا امتحان میں جب کامیاب ہو گئے تو مزید تعلیم کے لیے انھیں گنگا پرشاد اسکول جگدیش پور اور گیا دین جائسوال انٹر کالج خراسون میں بھیجا گیا، بی اے کی ڈگری کے لیے انھوں نے مشہور کالج شبلی نیشنل کالج میں داخلہ لیا دراصل واقف صاحب کی باقاعدہ ادبی زندگی کا دور شبلی کالج میں آنے کے بعد ہی شروع ہوا کیوں کہ کالج کا ماحول بڑا ادبی قسم کا تھا اس وقت یعنی ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء کے درمیان شبلی نیشنل کالج سید صباح الدین عبدالرحمان پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد عزخان، فیض الرحمان اعظمی، علی حماد عباسی، پروفیسر اجلال، ڈاکٹر اعجاز حسین، پروفیسر زبیری اور خود کالج کے پرنسپل مرزا شوکت سلطان کی موجودگی سے ادب کا ہرا بھرا گلستان لگ رہا تھا اس پر سونے پر سہاگا یہ کہ برصغیر ہندو پاک کا مشہور و معروف علمی و ادبی ادارہ دار المصنفین بھی کالج سے منسلک ہے یہ وہی ادارہ ہے جہاں مہاتما گاندھی، موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، مسز سروجنی نائڈو، نیتاجی سبھاش چندر بوس، مولانا ابوالکلام آزاد، علی برادران

لال بہادر شاستری، پنڈت مدن موہن مالویہ اور سردار ولبھ بھائی پٹیل وغیرہ جیسے اہم قومی لیڈر آکر علماء دارالمصنفین کی ہم نشینی اختیار کر کے دلی مسرت حاصل کرتے تھے۔

محمد ایوب واقف صاحب کا ذہن تو ایسے علماء کا متلاشی تھا ہی چنانچہ جب وہ شبلی کالج آئے تو ان کا ربط ضبط دارالمصنفین سے بھی بڑھا پھر تو ایسا ہوا کہ ان کا جو دن دارالمصنفین کی حاضری سے خالی چلا جاتا وہ دن ان کی نظر میں بڑا منحوس قرار پاتا۔ بہر حال علم کے پیاسے اس جوان ھا لیج نے دارالمصنفین کے ارباب علم سے خوب خوب استفادہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا قلم مستقل مزاجی کے ساتھ سیدھے راستے پر چلتا رہا۔

شبلی نیشنل کالج سے بی اے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایوب واقف صاحب ۱۹۶۶ء میں بمبئی آگئے جہاں انھوں نے مشہور محقق اور انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر مرحوم سید مجیب اشرف ندوی کے ایماء پر ایم اے میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۸ء میں انھوں نے بمبئی یونیورسٹی سے ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ انھوں نے انگریزی زبان کا بھی یونیورسٹی کی سطح پر امتحان دیا ہے اور اب وہ بمبئی کے ایک ادارے میں انگریزی کے استاد ہیں۔

محمد ایوب واقف اب تک تقریباً ۲ سو مضامین قلم بند کر چکے ہیں ان کے مضامین ہندو پاک کے تمام مقتدر اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں انھوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف و تالیف کی ہیں جن میں "جگن ناتھ آزاد ایک مطالعہ" "پنڈت بدری ناتھ سدرشن کی افسانہ نگاری" "سردار جعفری شخصیت اور شاعری" اہم ہیں۔

بمبئی میں اخبار قومی آواز کا اجراء عمل میں آیا تو اس کے چیف اڈیٹر جناب عشرت علی صدیقی نے ایوب واقف صاحب کی علمی و ادبی خدمات اس کے لیے حاصل کیں اس اخبار میں انھوں نے ان گنت موضوعات پر مضامین

لکھے جن کے چرچے ...... علمی و ادبی حلقے میں خوب خوب کیے گئے۔

واقف صاحب کی علمی و ادبی خدمات ہمہ جہتی نوعیت کے حامل ہیں ان کی تقاریر آل انڈیا ریڈیو سے بھی نشر کی جاتی ہیں اور پسند کی جاتی ہیں۔ ان کی تحریریں سادگی و صفائی کا عمدہ نمونہ ہوتی ہیں، ان کی زبان میں بڑا لوچ ہوتا ہے ملک کے نئے لکھنے والوں میں ان کا ایک منفرد مقام ہے۔ ابھی وہ جوان ہیں۔ آئندہ کے لیے ان سے بہت سی توقعات کی جاتی ہیں۔

پبلشر